ربوہ
خالد
ماہنامہ
مدیر
سید عبدالحی شاہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

استبقوا الخیرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں"

(الہام المسیح الموعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

جلد ۱۶ | فتح ۱۳۴۹ھش ○ دسمبر ۱۹۷۰ء | شمارہ ۱۲

قیمت سالانہ: چھ روپے ❖ شمارہ ہذا: ساٹھ پیسے

فہرست

اداریہ

ہمارا جلسہ سالانہ

جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ قریب آرہا ہے۔ مخلص احمدی سارا سال اِن مقدس اور بابرکت ایام کی انتظار میں رہتا ہے۔ جلسہ سالانہ سے پُورے طور پر مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہر آنے والا احمدی ان بلند مقاصد کو ہر وقت پیشِ نظر رکھے جن کے لئے اِس الٰہی اجتماع کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ وقت، مالی قربانی اور سردی کے موسم میں سفر کی صعوبتوں کی قیمت تب ہی ادا ہوسکتی ہے کہ جلسہ سالانہ کے پروگرام پُوری دلچسپی اور دلجمعی سے سُنے جائیں۔ عبادات اور دُعاؤں میں پُورے ذوق وشوق سے شمولیت کی جائے اور ہر وقت جماعت اور مرکز کا احترام قائم رکھا جائے۔

جلسہ سالانہ ہر تنقیدی نگاہ کو ایک موقعہ فراہم کرتا ہے کہ وہ دیکھے کہ خدا کے مامور کی جماعت کا نظم وضبط، باہمی اخوّت، ایثار اور جذبۂ خدمت کس معیار کا ہے؟ ہم میں سے ہر ایک نے اِس معیار کو بلند ثابت کرنا ہے۔ ایک احمدی کی معمولی سی فروگذاشت جماعت کو بدنام کرنے کا موجب بن سکتی ہے۔

جلسہ سالانہ پر آنے والا ہر شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مہمان ہے اتنے عظیم میزبان کا مہمان ہماری **مہمان نوازی، اکرام اور محبّت کا مستحق ہے۔** خدام کو چاہیئے کہ وہ جلسہ سالانہ کے لئے سفر شروع ہونے سے اختتام تک ہر مرحلے پر اجتماعی اور انفرادی طور پر مہمانانِ **مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کرنے کا عزم کریں۔** ایک تنظیم کے تحت ٹرانسپورٹ کا انتظام سٹیشنوں اور اڈوں پہ مسافروں کے لئے ضروری امداد اور رہنمائی، دورانِ سفر بچوں، بوڑھوں اور خواتین کا خیال رکھنا آپ کے فرائض میں شامل ہے۔

مرکز میں آکر اپنی خدمات نظام کو پیش کیجیئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کیجیئے۔

ھم توقع رکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جسے کوئی حقیقی عذر درپیش نہ ہو جلسہ سالانہ پر خود بھی آئے گا اور اپنے ساتھ اپنے عزیز واقارب اور دوستوں کو بھی لانے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور ہر مرحلہ پر آپ کی مدد فرمائے۔

(س - ع - ح)

معارف القرآن

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

”اس آیت اور بعد کی آیات میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یعنی یوں کہا گیا ہے کہ ”ہم عبادت کرتے ہیں“ اور ”ہم مدد مانگتے ہیں“ اور ”ہمیں سیدھا راستہ دکھا“ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام ایک مدنی مذہب ہے ۔ وہ سب کے لئے ترقی چاہتا ہے نہ کہ کسی ایک شخص کے لئے ۔ اور یہ بھی کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا نگران مقرر کیا گیا ہے ۔ اس کا یہی کام نہیں کہ وہ خود عبادت کرے بلکہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کو عبادت کی تحریک کرے اور اُس وقت تک تحریک نہ چھوڑے جب تک وہ اُس کے ساتھ عبادت کرنے میں شامل نہ ہو جائیں ۔ اور وہ آپ ہی اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی توکل کی تعلیم دے ۔ اور اُس وقت تک بس نہ کرے جب تک وہ توکل میں اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں ۔ اور وہ خود ہی ہدایت کا طالب نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی ہدایت طلب کرنے کی نصیحت کرے ۔ اور بس نہ کرے جب تک ان کے دل میں بھی ہدایت طلب کرنے کی تڑپ پیدا ہو کر وہ اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں اور خود بھی ہر دعا میں ”میں“ کی جگہ ہم کا لفظ استعمال نہ کرنے لگیں ۔ یہی تبلیغی اور تربیتی رُوح ہے جس نے اسلام کو چند سالوں میں کہیں کا کہیں پہنچا دیا ۔ اور اگر آج مسلمان ترقی کر سکتے ہیں تو صرف اسی جذبہ کو اپنے دل میں پیدا کر کے ۔ ..... حقیقت یہ ہے کہ عبادت بھی اور استعانت بھی اور طلب ہدایت بھی بحیثیت جماعت ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اکیلا آدمی صرف ایک محدود عرصہ کے لئے اور ایک محدود دائرہ میں عبادت کو قائم کر سکتا ہے ۔ ہاں جو اپنی اولاد کو بھی اور اپنے ہمسایوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتا ہے وہ عبادت کا دائرہ وسیع کر دیتا ہے اور اس کا زمانہ ممتد کر دیتا ہے ۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ سچا عبد وہی ہے جو اپنے آقا کی مملوکہ اشیاء کو دشمن کے ہاتھ میں نہ پڑنے دے ۔ جو اپنے آقا کے باغ کو لٹتے دیکھتا اور اس کے لئے جد و جہد نہیں کرتا وہ ہرگز سچا بندہ نہیں کہلا سکتا ۔“

(تفسیر کبیر جلد اوّل جُزو اوّل صفحہ ۳)

جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کا مدعا و مطلب

(ارشادات عالیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

"اوّل یہ کہ اس جلسہ سے مدّعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبّت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی اُن میں پیدا ہو اور وہ دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔ ...... میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدّم نہ ٹھہراوے۔

اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اُس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اٹھوں اور محبّت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اُسکو نہ دوں اور اپنے لئے فرشِ زمین پسند نہ کروں۔ اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں اُسکے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اُس کیلئے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں۔ اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں دیدہ دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ مجھے چاہیئے کہ میں اُسکی باتوں پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اُس کے لئے رو رو کر دُعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے۔ اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اُس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیئے کہ میں اُس سے ٹھٹھا کروں یا چیں بر جبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیّتی سے اُس کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں۔ کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کا دل نرم نہ ہو۔ جب تک وہ اپنے تئیں ہر یک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری مشیختیں دُور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جُھک کر بات کرنا مقبولِ الٰہی ہونے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصّہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے۔"

(اشتہار التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء مندرج شہادۃ القرآن)

جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب کے لئے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ارشاد فرمودہ ضروری ہدایات

(۱) "باہر کی جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہاں آنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ جلسہ سالانہ میں شمولیت ایمان کی زیادتی کا موجب ہوتی ہے۔" (بحوالہ الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۶۹ء)

(۲) "جلسہ سالانہ میں بھی دونوں قسم کی عبادتیں کرنی چاہئیں۔ یعنی دوستوں کو چاہیئے کہ جب تک وہ جلسہ گاہ میں رہیں لیکچر سنیں، احمدیت کی تعلیم سے واقفیت پیدا کریں۔ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے آگاہی حاصل کریں اور جب جلسہ سے فارغ ہوں تو نمازیں پڑھیں، دعا کریں، اُن آدمیوں سے ملیں جن سے مل کر ان کے ایمان کو تقویت حاصل ہو۔ مگر اپنے وقت کو ضائع نہ کریں اور نہ کھیل کود اور لغو کاموں میں اسے رائیگاں جانے دیں۔"

(الفضل ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء)

(۳) "ہر علاقہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں میں سلسلہ کی رُوح زندہ رکھنے کے لئے جو پہنچ سکتے ہیں اُنہیں سَو کام ہرج کر کے بھی آنا چاہیئے۔ تا اُن کا آنا دوسروں کے نہ آسکنے کے نقصان کا ازالہ کردے۔" (الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۵۲ء)

(۴) "مَیں نے دیکھا ہے جو دوست سال بھر میں ایک دفعہ بھی جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آجاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لاتے ہیں ان کی اولادوں میں احمدیت قائم رہتی ہے ...... اس طرح بچپن میں ہی ان کے قلوب میں احمدیت گھر کرنا شروع کر دیتی ہے اور آخر کار بڑے ہو کر وہ اپنی احمدیت کا شاندار نمونہ پیش کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔" (ایضاً)

(۵) "کچھ عرصہ سے جلسہ پر آنے والوں میں یہ میلان پیدا ہو گیا ہے کہ جلسے کا نام آرام، سہولت اور مہمان نوازی رکھ لیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ جلسہ سالانہ پر آکر بھی برکات سے محروم رہتے ہیں وہ جلسہ دیکھنے آتے ہیں سُننے نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کو مَیں کہوں گا کہ وہ یہاں تقاریر نہ سن کر گناہ کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ اگر یہاں آکر تقاریر نہیں سُننی تو بہتر ہے وہ یہاں نہ آئیں۔" (ایضاً)

جلسہ سالانہ میں زیادہ سے زیادہ شامل ہوں

(فرمودات سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

"رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ایک دروازہ جو اس نے ہم پر کھولا ہے وہ جلسہ سالانہ ہے۔ ہمارے جلسہ سالانہ پر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی روشنی میں ——— ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے شمار برکتیں نازل ہوتی ہیں خدا تعالیٰ کی، اور بہت سارے گناہ اور غفلتیں اور کوتاہیاں اور کمزوریاں اور نقائص مغفرت کی چادر میں ڈھانپ دیئے جاتے ہیں۔ ... . جماعت جلسہ میں شمولیت کیلئے بڑی قربانیاں دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی فضل کرنیوالا اور بڑی رحمت کرنیوالا ہے ... خصوصاً ان دنوں میں بڑی برکت نازل کرتا ہے، ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، مغفرت کی چادر میں ان کو چھپا لیتا ہے اپنے نور کی چادر میں انہیں لپیٹ لیتا ہے ... . جب وہ واپس ہوتے ہیں تو اپنے اخلاص میں پہلے سے بھی کہیں بڑھ کے ہوتے ہیں۔ جلسہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھتے ہیں، ایک دوسرے کے لئے دعائیں کرتے ہیں ——— ایک لاکھ آدمی اجتماعی دعا کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔ اگر خلوص نیت ہو، اگر کبر نہ ہو، اگر نخوت نہ ہو ... . بلکہ نہایت عاجزی اور تواضع اور انکسار کے ساتھ دعائیں کی جائیں، تو اتنا بڑا مجمع جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے .... اس (یعنی جلسہ میں شمولیت) کے لئے ابھی سے تیاری کر لیں اگر پہلے تیاری نہیں کی۔ کسی نے رخصتیں لینی ہوتی ہیں، گھر کو سنبھالنے کے لئے انتظام کرنا ہوتا ہے۔ پانچ دس دن کے لئے گھر اکیلا چھوڑنا ہوتا ہے ..... لیکن مومن کہتا ہے کہ اے خدا! میں اپنے گھر کو اکیلا چھوڑ آیا تیری رضا کے حصول کے لئے۔ اگر تیری رضا کا حصول جلسہ میں شمولیت کی عاجزانہ قربانی اور گھر کے لوٹے جانے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے تو میں اس پر بھی خوش ہوں۔ میرا گھر ہزار بار لوٹا جائے تیری رضا ایک لحظہ کے لئے مجھ سے جدا نہ ہو، وہ مجھے ہمیشہ حاصل رہے۔ پس میں دوستوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلسہ میں زیادہ سے زیادہ شامل ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۷ء منقول از الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۶۹ء)

کلام الامام

خدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اڑائیں گے ہم

تری محبت میں میرے پیارے ہر اک مصیبت اٹھائیں گے ہم
مگر نہ چھوڑیں گے تجھ کو ہرگز نہ تیرے در پہ سے جائیں گے ہم
تری محبت کے جرم میں ہاں جو جیلیں بھی ڈالے جائیں گے ہم
تو اس کو جانیں گے عین راحت نہ دل میں کچھ خیال لائیں گے ہم
سنیں گے ہرگز نہ غیر کی ہم نہ اس کے دھوکے میں آئیں گے ہم
بس ایک تیرے حضور میں ہی سر اطاعت جھکائیں گے ہم
جو کوئی ٹھوکر بھی مارے گا تو اس کو سہہ لیں گے ہم خوشی سے
کہیں گے اپنی سزا یہی تھی زباں پہ شکوہ نہ لائیں گے ہم
ہمارے حال خراب پر گو ہنسی انہیں آج آ رہی ہے
مگر کسی دن تمام دنیا ساتھ اپنے رلائیں گے ہم
ہوا ہے سارا زمانہ دشمن ہیں اپنے بیگانے خون کے پیاسے
جو تو نے بھی ہم سے بے رخی کی تو پھر تو بس مر ہی جائیں گے ہم
مٹا کے کفر و ضلال و بدعت کریں گے آثار دیں کو تازہ
خدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اڑائیں گے ہم
خبر بھی ہے کچھ تجھے او ناداں کہ مردم چشم یار ہیں ہم
اگر ہمیں کج نظر سے دیکھا تو تجھ پہ بجلی گرائیں گے ہم

اقتصادی مشکلات اور اُن کا حل

(مکرم پروفیسر حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

یہ مقالہ مجلس ارشاد مرکزیہ کے اجلاس منعقدہ مسجد مبارک میں پڑھا گیا (ادارہ)

ہمارے پیارے اللہ نے جو رب العٰلمین اور پھر رحمٰن بھی ہے انسان کو جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی استعدادوں کے ساتھ اور عرصۂ حیات دیکر اس دنیا میں بھیجا ہے اور اس کرّۂ ارض کے اندر اور باہر تمام وہ سامان پیدا کر دیئے ہیں جو اسکی بقاء، استعدادوں کی نشوونما اور ترقی کے لئے ضروری ہیں اور اس کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ مَیں صرف رحمٰن ہی نہیں رحیم بھی ہوں۔ جب بھی میرے قائم کردہ اصولوں کے مطابق میری پیدا کردہ اشیاء سے فائدہ اُٹھانے کے لئے دُعا، فکر اور محنت کے ساتھ جدّوجہد کرو گے تو مَیں اس کا نتیجہ پیدا کروں گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مطلقاً آزاد اور دوسرے انسانوں سے مستغنی ہے۔ اور تعاون کے بغیر بسر اوقات کر سکتا ہے۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے ہر انسان کی قوّت اور استعداد دوسرے سے مختلف بنادی ہے۔ ایک کا میلان کھیتی باڑی کی طرف ہے تو دوسرے کا لکڑی یا لوہے کی اشیاء بنانے کی طرف۔ لوہار یا نجار آلات قلبہ رانی تیار کرے گا اور کسان ان کی مدد سے زمین تیار کر کے غلہ اُگائے گا اور اسکی خوراک مہیّا کرے گا۔ ہر انسان اپنی سب ضروریات خود پوری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے آیت:-

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝ (الزخرف آیت ۳۳)

کے ماتحت اِس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے:-

" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ دنیوی معیشت اور دنیوی زندگی کے سامانوں کی تقسیم ہم نے اس رنگ میں کی ہے کہ ہم نے ہر انسان کی قوت اور استعداد مختلف بنادی ہے۔ ہر طبیعت کا میلان ہم نے مختلف بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے دیکھو ہم نے بعض کو بعض قوتیں دی ہیں اور بعض دوسرے انسانوں کو کچھ اور قوتیں دی ہیں کسی کی طبیعت میں کوئی ہنر رکھ دیا ہے اور کسی کی فطرت میں ایک دوسرا میلان پیدا کر دیا ہے۔ اور جب اس بات کا نتیجہ نکلتا ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کوئی تو دولت مند ہو گیا ہے اور کوئی درویش، فقیر اور نادار بن گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سارا نظام اسلئے نہیں ہے کہ تم میں سے بعض بعض کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ .... الخ

یہ تفاوت ہم نے اسلئے رکھا ہے کہ بعض بعض کے لئے کارِ برار اور خادم بن جائیں ... ...

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اللہ تعالیٰ بعض کو معزز اور بعض کو حقیر بنانا چاہتا ہے بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اس نے انسان کو باہمی معاشرہ میں تمدنی زندگی گزارنے والی مخلوق بنایا ہے۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام اسکے اصول اور فلسفہ صد ۲۳، ۲۴)

علم اقتصادیات اور مختلف اقتصادی نظام

علم اقتصادیات کا تعلق اُن اشیاء کی پیداوار اور تقسیم سے ہے جن کو انسان اپنی ضروریات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یعنی اس بات کی چھان بین کہ چیزیں کس طرح پیدا کی جا سکتی ہیں اور آگے ان چیزوں کو سب میں کس طرح تقسیم کرنا چاہیئے؟ انسانی ضروریات بہت سی ہیں مثلاً خوراک، لباس، مکان، تعلیم، علاج وغیرہ۔

جب لوگ اپنے ذرائع کے اندر رہتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہتے تو ہم اس کو "اقتصادی مشکل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ خوراک اور مکان کے بغیر چونکہ جسمانی زندگی محال ہے اور لباس کے بغیر اخلاقی اور تمدنی زندگی محال ہے اسلئے یہ تین ضروریات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ یہ سوال پیدا

ہوتا ہے کہ وہ اپنی استعدادوں اور توانائیوں کو بروئے
کار لاسکے۔

دُنیا میں اس وقت جو اقتصادی نظام رائج
ہیں اُن میں سے سرمایہ دارانہ نظام کا طریقِ کار یہ
ہے کہ افراد کو نجی ملکیت کا حق حاصل ہے۔ اور
معاشی جدّوجہد (بصورت تجارت، صنعت وغیرہ)
کی آزادی ہے۔ کوئی جو پیشہ یا کاروبار اختیار کرنا
چاہے کرلے۔ حکومت اگر کسی رنگ میں معاشی جدّوجہد
کو کنٹرول کرنا چاہتی ہے تو وہ اپنی مالی پالیسی کے
ذریعہ کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

اس کے برعکس اشتراکی اقتصادی نظام میں
افراد کو نجی ملکیت کا حق حاصل نہیں بلکہ تمام صنعتیں،
کارخانے، تجارتیں حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔
اور حکومت ان کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتی ہے۔
اور ہر قسم کی آمد حکومت کے خزانہ میں داخل ہوتی ہے
اور تمام شہری حکومت کے ملازم ہوتے ہیں اور حکومت
اُن کی ضروریات کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

اشتراکی اقتصادی نظام میں گو معاشی تحفظ
کی صورت تو موجود ہے لیکن نجی ملکیت سے محرومی
اور معاشی جدّوجہد کی آزادی کے نہ ہونے کی وجہ
سے افراد کو اپنے شوق اور میلان کے مطابق کام
کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ ہی وہ اپنی استعدادوں
اور قوتوں کو صحیح طور پر بروئے کار لاسکتے ہیں۔ اس
کے بالمقابل سرمایہ دارانہ نظام میں نجی ملکیت کا
حق موجود ہے اور معاشی جدّوجہد میں افراد آزاد
ہیں لیکن معاشی تحفظ موجود نہیں۔

تیسرا اقتصادی نظام اسلام کا اقتصادی
نظام ہے جو اسلام کے دورِ اوّل میں تین سَو سال
تک نہایت کامیابی کے ساتھ رائج رہ چکا ہے۔
اور اب پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ذریعہ اس کی بنیاد رکھی جا چکی ہے اور خلافت
احمدیہ کے ذریعہ اس کو مختلف جہتوں سے نافذ کرنے
کی عملی کوششیں جاری ہیں اور اُن میں وسعت پیدا
ہو رہی ہے۔ اس وقت اس اقتصادی نظام کی
روشنی میں ہی اقتصادی مشکلات کے بعض حل
بیان کئے جائیں گے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیاد کن
باتوں پر ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس
بارے میں حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" سے چند
اقتباسات پیش ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) "اسلام کا اقتصادی نظریہ اموال
کے متعلق یہ ہے۔ فرماتا ہے (اللہ) ھُوَ
الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ
جَمِیْعًا (بقرہ ع۳) یعنی جس قدر
چیزیں دُنیا میں پائی جاتی ہیں وہ
سب کی سب خدا تعالیٰ نے بنی نوع
انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی
ہیں۔ اگر تمہیں دنیا میں پہاڑ نظر آتے
ہیں، اگر تمہیں دنیا میں دریا نظر آتے

ہیں، اگر تمہیں دنیا میں کانیں نظر
آتی ہیں، اگر تمہیں دنیا میں ترقی کی
ہزاروں اشیاء نظر آتی ہیں تو
سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کا نظریہ
ان اشیاء کے متعلق یہ ہے کہ
یہ سب کی سب بنی نوعِ انسان
میں مشترک ہیں۔ اور سب بحیثیت
مجموعی ان کے مالک ہیں۔" (ص۱۳)

(۲) "اسلام سب سے زیادہ حیات بعد الموت
کا قائل ہے اسلئے اسلام مُصِر
ہے اس بات پر کہ اقتصادیات
میں انفرادی آزادی کو زیادہ سے
زیادہ قائم رکھا جائے۔ کیونکہ وہ
جتنا زیادہ آزاد ہوگا اُسی قدر
زیادہ اپنی مرضی سے کام کر کے
اگلے جہان کی زندگی کو سُدھار
سکے گا۔ اگر زندگی کے ہر پہلو کو
مختلف قسم کے جالوں میں جکڑ دیا
جائے تو وہ کوئی کام اپنی مرضی
سے نہیں کریگا ... تو اُسے اگلے جہان
میں کسی ثواب کی بھی اُمید نہیں ہو سکتی
کیونکہ ثواب ملتا ہے طوعی نیکی
کاموں پر۔" (ص۴۴-۴۵)

(۳) "اگر اسلام کوئی منصفانہ اور عادلانہ
اقتصادی نظام قائم کرے گا تو
اس کی بنیاد ان دو۲ اصولوں پر ہوگی
(۱) بنی نوع انسان میں منصفانہ تقسیم
اموال اور مناسب ذرائع کسب
کی تقسیم کا اصول طوعی فردی
قربانی پر ہونا چاہیئے تاکہ دنیا
کی اقتصادی حالت بھی درست
ہو اور اس کے ساتھ ہی انسان
اپنی اُخروی زندگی کے لئے بھی
سامان جمع کرے۔ (ص۴۵)

(۲) دوسرا اصل اسلام کا یہ ہے کہ
چونکہ اموال اللہ تعالیٰ کے ہیں اور
اس نے سب مخلوق کے لئے پیدا کئے
ہیں اسلئے جو حصہ اُوپر کی تدبیر سے
پورا نہ کیا جا سکے اس کیلئے قانونی
طور پر تدارک کی صورت پیدا کی
جائے۔ یعنی جو حصہ طوعی نظام
سے پورا نہ ہو اور ادھورا رہ جائے
اُسے قانونی طور پر مکمل کرنے کی
کوشش کی جائے گی اور الٰہی
نظام کو خراب نہیں ہونے دیا
جائے گا۔" (ص۴۶)

(۳) "پس اسلامی اقتصاد نام ہے
فردی آزادی اور حکومتی تداخل
کے ایک مناسب اختلاط کا ...
... فردی آزادی اس لئے

رکھی گئی ہے تاکہ افراد آخرت کا
سرمایہ اپنے لئے جمع کریں۔ اور
اُن کے اندر تسابق اور مقابلہ کی
رُوح ترقی کرے اور حکومت کا
تداخل اسلئے رکھا گیا ہے کہ اُمراء
کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ اپنے غریب
بھائیوں کو اقتصادی طور پر تباہ
کر دیں۔" (صفحہ ۴۶-۴۷)

اقتصادی مشکلات کا پہلا حل — "دعا"

مشکل اقتصادی ہو یا کسی اور نوعیت
کی مشکل کشا چونکہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے
اسلئے مشکلات کے پیش آنے پر سب سے پہلے
اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے :-

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ جُوتے کا اگر ایک تسمہ
بھی ٹوٹ جائے اور اس کی ضرورت
ہو تو یہ نہ سمجھنا کہ زورِ بازو سے
تم اُسے حاصل کر سکو گے۔ جُوتے
کا تسمہ بھی تم اپنے خدا سے مانگو۔"
(اسلام کا اقتصادی نظام اسکے
اصول اور فلسفہ صفحہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
کشتی نوح میں اپنی جماعت کو مخاطب کرکے فرمایا
ہے :-

"میں تمہیں دنیا کے کسب اور
حرفت سے نہیں روکتا مگر تم اُن
لوگوں کے پیرو مت بنو جنہوں نے
سب کچھ دُنیا کو ہی سمجھ رکھا ہے
چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں
خواہ دُنیا کا ہو خواہ دین کا خدا
سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ
جاری رہے لیکن نہ صرف خشک
ہونٹوں سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا
سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت
آسمان سے ہی اُترتی ہے۔ ہر ایک
کام کے وقت، ہر ایک مشکل کے
وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر
کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا
کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل
پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی
فرما۔ تب رُوح القدس تمہاری
مدد کرے گی اور غیب سے کوئی
راہ تمہارے لئے کھولی جائے گی۔"
(صفحہ ۴۷)

دوسرا حل — "محنت کرنا اور بیکاری سے بچنا"

کسی قوم کے اقتصادی مشکلات سے نجات
اور اقتصادی خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ مجموعی
قومی پیداوار بڑھائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ قوم کے

تمام افراد کو محنت کی عادت ہو اور اپنے وقت کو ضائع نہ کریں۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار نہ سمجھیں۔ بیکار اور نکمے نہ بیٹھیں بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خوشی سے کر لیں۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان امور کو تحریک جدید کے مطالبات میں شامل فرمایا تھا۔ آپؓ فرماتے ہیں:۔

(۱) "احباب کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ ... ... کوئی احمدی بیکار نہ رہے۔ اگر کسی کو جھاڑو دینے کا کام ملے تو وہ بھی کر لے۔ اس میں بھی فائدہ ہے۔"

(۲) "ماں باپ سنگدل ہو کر اپنے بیکار لڑکوں کو کہہ دیں کہ ہم نے تمہیں پالا پوسا ہے اب تم جوان ہو۔ جاؤ اور خود کما کر کھاؤ۔ بیشک یہ سنگدلی ہے مگر اس پیار اور محبت سے ہزار درجہ بہتر ہے جو بیکاری میں مبتلا رکھتی ہے۔"

(۳) "پھیری کے ذریعہ پہلے دن ہی روزی کمائی جا سکتی ہے۔"

(مطالبات تحریک جدید صفحہ ۱۱۱)

(۴) "ہاتھ سے کام نہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اچھے اچھے خاندان برباد ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے نتیجہ میں غرباء ہمیشہ غربت کی حالت میں رہتے ہیں اور انہیں اپنی حالت میں تغیر کرنے کا موقع نہیں ملتا۔" (" صفحہ ۱۱۹)

(۵) "... ... ... کام نہ کرنے کے نتیجہ میں اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ قوم میں بیکاری اور آوارگی پیدا ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی وہ عطا کردہ طاقتیں جن کی قیمت میں دنیا کی کوئی چیز پیش نہیں کی جا سکتی ضائع ہو جاتی ہیں۔" (" صفحہ ۱۲۰)

(۶) "میری تجویز یہ ہے کہ عورت و بچہ و بوڑھا ہر ایک کو کسی کام پر لگایا جائے اور سوائے معذوروں کے کوئی بیکار نہ رہے ... ... میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص کما کر کھانے کا عادی ہو۔" (" صفحہ ۱۲۴)

(۷) "بیکاری ایسا مرض ہے کہ جس علاقہ میں ہو اس کی تباہی کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اقتصادی لحاظ سے بھی بیکاری ایک لعنت ہے۔ اسے جس قدر جلد ممکن ہو دور کرنا چاہیئے۔ بیکار مزدوری کو کم کر دیتے ہیں۔ بیکار شخص ہمیشہ عارضی

کام کرنے کا عادی ہوتا ہے ۔"
(مطالبات تحریک جدید صفحہ ۱۲۴)

مزید وضاحت کے لئے حضرت امیر المومنین
خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک
اقتباس پیش ہے حضور فرماتے ہیں :-

"میرے نزدیک نکمے پن کی
تعریف یہ ہے کہ انسان کے
قویٰ پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا جتنا
بوجھ وہ اپنی نشوونما کے اس
مخصوص دور میں برداشت کر سکتا
ہے ... ... بوجھ کا ایک
حصہ وقت سے تعلق رکھتا ہے
کہ اتنا وقت کام کرو۔ اب یہ
تو درست ہے کہ ہر آدمی کے کام
کی نوعیت مختلف ہے لیکن
اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے
اس کو ایک طاقت دی ہے ۔
پس جتنا زیادہ سے زیادہ بوجھ
وہ برداشت کر سکتا ہو (اپنے
وہم کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
کی دی ہوئی طاقت کے نتیجہ میں)
اتنا وقت اپنے کام میں خرچ
کرنا چاہیئے۔ اگر وہ اتنا وقت
خرچ نہیں کرے گا تو وہ اس کام میں
زیادہ قوت لگا نہیں سکے گا۔ پس
نکماپن ایک نہایت ہی مہلک
چیز ہے ۔ یہ عادت روحانی لحاظ
سے بھی ، اخلاقی لحاظ سے بھی اور
(ہم چونکہ اقتصادیات کی بات
کر رہے ہیں) اقتصادی لحاظ سے
بھی بڑی مہلک ہے ۔ فرض کریں
ہم نے کسی چیز کی پیداوار معلوم
کرنے کے لئے سال یونٹ مقرر
کیا ہے ۔ اس اعتبار سے کسی فرد
یا خاندان یا ملک کی سال کی
مجموعی پیداوار اس کی دولت متصور
ہوگی ... ... اگر کسی ملک کے
باشندے اپنے اوقات کار میں
سے بیس فیصدی ضائع کر دیتے
ہیں۔ بیکار بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے
ہیں، سینما چلے جاتے ہیں اور
دوسری قسم کے شوز (Shows)
دیکھنے لگ جاتے ہیں اور اپنے اصل
کام کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دیتے
تو اس ملک کی پیداوار سو کی بجائے
اسّی رہ جاتی ہے ۔ اس پر اگر وہ
شور مچائیں کہ ہماری ساری ضرورتیں
پوری کرو تو ظاہر ہے کہ جب انہوں
نے وہ چیز پوری پیدا ہی نہیں کی تو
کس طرح سب کی ضرورتیں پوری

اور سب کے حقوق ادا ہو سکتے ہیں"۔
(اسلام کا اقتصادی نظام اس کے اصول اور فلسفہ صفحہ ۸۴-۸۵)

خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے یہ قانون مقرر کیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورۃ البلد) کہ ہم نے انسان کو رہین محنت بنایا ہے۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس الٰہی قانون کے ساتھ موافقت اختیار نہ کرے اور محنت کرتے کرتے اپنے آپ کو فنا کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ ع

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
(کلام محمودؓ)

تیسرا اصل — زیادہ سے زیادہ لوگ مختلف ہنر اور پیشے سیکھیں۔

دنیا میں دولت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک **دولت بالقوۃ**: "اس سے مراد کسی ملک کے وہ سامانِ دولت ہوتے ہیں جو اس میں قدرتی طور پر پائے جاتے ہیں"۔ مثلاً زمین، کانیں، دریا وغیرہ۔ اور دوسرے **دولت بالفعل** "اس سے مراد ایسی دولت ہے جو سکہ یا کرنسی کی صورت میں ہو یا ان چیزوں کی صورت میں جن سے دوسری اشیاء خریدی جا سکتی ہوں"۔ چنانچہ مختلف قسم کی اجناس بھی دولت بالفعل کے زمرہ میں آتی ہیں۔

دولت بالقوۃ یعنی قدرتی دولت یہ سامان دولت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے مختلف قسم کے علوم اور فنون کا جاننا ضروری ہے۔ مثلاً کسی کے پاس کتنی ہی زرخیز زمین کیوں نہ ہو اگر زمینداری کا علم نہیں اور اس کا طریق معلوم نہیں تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اور پھر خوراک کے سامان حاصل نہ کرنے کی بناء پر فاقے سے مر رہا ہوگا۔ یا اگر خود اس کو کسی اور ذریعہ سے خوراک مل رہی ہے اور زمینداری کا علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی زمین کو استعمال نہیں کر رہا تو اس کے نتیجہ میں بعض دوسرے لوگ بھوک کا شکار ہوں گے۔

یہی حال دوسرے فنون کا ہے۔ خواہ وہ لکڑی یا لوہے کے کام سے تعلق رکھتے ہوں۔ یا کپڑا بنانے کے فن سے تعلق رکھتے ہوں۔ یا بجلی کے کام سے تعلق رکھتے ہوں۔ یا دواسازی سے تعلق رکھتے ہوں ان کے سیکھے بغیر ہم خدا تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر رہیں گے اور اپنے لئے اقتصادی مشکلات پیدا کر لیں گے۔

فنون میں (موجودہ زمانہ کی غیر معمولی ترقی کے باوجود) دولت بالقوۃ سے نت نئے فائدے اٹھانے کا دروازہ بدستور کھلا ہے۔ بلکہ دنیا کے بڑھتے ہوئے مسائل پہلے سے زیادہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں تحقیق و ریسرچ کے بعد مفید ایجادیں معرض وجود

میں آئیں اور نئے نئے کام نکالے جائیں۔

ہمارے ملک میں بھی ملازمتوں اور نوکریوں کی طرف لوگوں کا میلان زیادہ ہے صنعت و حرفت اور فنون سیکھنے کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ صنائع ملک کو دولت کما کر دیتے ہیں۔ مثلاً ملکی مصنوعات دوسرے ممالک کو برآمد کر نا ملک کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ ضرورت اور کام کی چیزیں دوسرے ملکوں سے درآمد کی جا سکیں۔ اس کے بالمقابل نوکر ملک کی دولت کو کھاتے ہیں۔ اقتصادی میدان میں کوئی ملک ترقی کر ہی نہیں سکتا جب تک اس کے شہری زیادہ سے زیادہ مختلف پیشے نہ سیکھیں۔

چوتھا حل — فاضل اموال اور بچت کو بڑھایا جائے۔

اسلامی سکیم یہ ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ کمائیں اور اپنی ضروریات پر کم از کم خرچ کریں یعنی کھانے، پینے، پہننے، مکان بنانے اور دوسرے امور میں اسراف نہ کریں۔ بلکہ ہر چیز میں سادگی کو اختیار کریں۔ تا قومی ترقی کیلئے زیادہ سے زیادہ اموال ضائع ہونے سے بچ سکیں

دولت کے غلط استعمال یعنی شراب، جوا، سینما اور اس قبیل کی دوسری چیزوں سے اسلام نے منع کیا ہے۔ چنانچہ دیکھئے ہر سال پاکستان میں کروڑوں روپیہ سینما کی نذر ہو جاتا ہے۔ اگر سینما کو بند کر کے اس روپیہ کو دوسری جائز صنعتوں یا تجارتوں پر لگا دیا جائے تو اس سے بہت زیادہ لوگوں کو روزگار میسر آسکتا ہے جس قدر اس وقت سینما کی صنعت ساتھ منسلک ہیں۔

عیاشیاں اور لغویات ہی امراء اور اہل دولت کو غرباء کے حقوق ادا کرنے نہیں دیتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

"یہ قوت زکوٰۃ دینے کی لغو
سے کنارہ کشی پر حاصل ہوتی ہے
پس تم دنیا کی محبت کم کرو۔ بلکہ
نہ کرو۔ تا زکوٰۃ دینے کی قوت
حاصل ہو اور تم فلاح پاؤ۔"
(ملفوظات جلد دہم حاشیہ ص۶۲)

پانچواں حل — صدقات کو فروغ دیا جائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے مہیا کرے۔ لیکن ایک شخص پوری محنت کے بعد بھی اگر اپنے کنبہ کی ضروریات پوری نہ کر سکے یا وہ معذور ہو اور کام کرنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو یا بوڑھا ہو اور کام نہ کر سکتا ہو۔ یا بیوگان اور یتامیٰ ہوں جو کافی وجوہ معاش نہ رکھتے ہوں۔ یا کسی کو کوشش کے باوجود کام نہ

ملتا ہو تو ایسے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کیلئے اسلام نے نفلی صدقات کا نظام مقرر کیا ہے۔ (اسلامی حکومت کی ذمہ داری اس کے علاوہ ہے)

اسلام ہی ہے جس نے لوگوں کو انسانی ہمدردی اور شفقت کے تحت دوسروں پر خرچ کرنے کی تحریک کی ہے اور اس کے بدلہ اُخروی انعام کا وعدہ دیا ہے اور پھر کوئی شرح یا مقدار مقرر بھی نہیں کی بلکہ صدقہ دینے والے کی مالی حالت اور اُس کے تقویٰ پر اس بات کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ
عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥

(بقرہ رکوع ۳۸)

یعنی جو لوگ اپنے اموال دن رات پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی خرچ کرتے ہیں وہ اپنے اجر اپنے رب کے پاس پائیں گے۔۔۔ ۔۔۔۔"

پھر دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا کہ:۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ
وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات رکوع ۱)

یعنی مومنوں کے مالوں میں سائلوں کا بھی حق ہے جن کو محنت مزدوری کے بعد بھی کافی آمدن نہیں ہوتی اور وہ اپنے بھائیوں سے سوال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کا حق بھی ہے جو باوجود غربت کے سوال نہیں کرتے اور لوگوں کو اُن کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوتی۔ "محروم" میں گونگے، بہرے، پردہ دار عورتیں، چھوٹے بچے اور جانور بھی آجاتے ہیں۔ اور صدقہ مصیبت یا تکلیف کو دُور رکھنے اور خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ "نذر" بھی اسی کی ایک قسم ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے "وَيُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ" کہ مومن نذر کو پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح شکرانہ، فدیہ، کفارہ بھی صدقہ کی اقسام میں سے ہیں۔

اسی طرح فرمایا:۔

اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ
مَسْغَبَةٍ ٥ يَّتِيْمًا ذَا
مَقْرَبَةٍ ٥ اَوْ مِسْكِيْنًا
ذَا مَتْرَبَةٍ ٥

یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے یتیم کو، جو قریبی ہو یا مسکین کو جو زمین پر گرا ہوا ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"یعنی رُوحانی ترقیات بھی ملتی ہیں ۔۔۔۔ جب انسان دُنیا سے

غربت کو دور کرے اسی طرح یتیموں
اور مسکینوں کا انتظام کرے۔"
(تفسیر صغیر ص۲۰۸)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔
اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ
کَھَاتَیْنِ ۔ (ترمذی)
کہ میں اور یتیم کی پرورش اور
حفاظت کرنے والا مسلمان جنت
میں اس طرح ہوں گے جس طرح
کہ میری یہ دو انگلیاں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۰۷ء کے ایام میں جب بعض
مہمان کھانا کھائے بغیر سو گئے تو خدا تعالیٰ نے
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً
فرمایا:۔
یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا
الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔"
(تذکرہ ص۷۴۶)
کہ اے نبی! بھوکوں اور محتاجوں
کو کھانا کھلاؤ۔"

اس الہام کے ماتحت ہماری جماعت بھوکوں
اور محتاجوں کو کھانا کھلانے اور اس بات کی بھی
کہ کوئی رات کو بھوکا نہ سوئے خاص طور پر پابند
ہے۔ اور اسی حکم کی تعمیل میں سیدنا حضرت
امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ
نے بھی جماعت کو اس امر کی تلقین فرمائی ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مخلوق
خدا سے ہمدردی اور شفقت کی بہت تلقین فرمائی
یہاں تک کہ اس کو شرائط بیعت میں سے رکھا۔
پہلا اقتباس شرائط بیعت میں سے ہے جس کا
سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے والا ہر شخص عہد کرتا
ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔
" یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی
میں محض للہ مشغول رہے گا اور
جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی
خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے
بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔"
(شرائط بیعت شرط نمبر۹)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔
" نوع انسان پر شفقت اور اس
سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت
ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل
کرنے کے لئے یہ ایک زبردست
ذریعہ ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ
اس پہلو میں بڑی کمزوری ظاہر کی
جاتی ہے۔ دوسروں کو حقیر سمجھا جاتا
ہے۔ ان پر ٹھٹھے کئے جاتے ہیں۔
ان کی خبر گیری کرنا اور کسی مصیبت
اور مشکل میں مدد دینا تو بڑی بات
ہے۔ جو لوگ غرباء کے ساتھ اچھے
سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ ان کو

حقیر سمجھتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ خود
اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاویں۔
اللہ تعالیٰ نے جن پر فضل کیا ہے
اس کی شکر گزاری یہی ہے کہ
اس کی مخلوق کے ساتھ احسان
اور حُسنِ سلوک کریں اور اس
خداداد فضل پر تکبر نہ کریں اور
وحشیوں کی طرح غرباء کو کچل نہ
ڈالیں۔"
(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۱۰۲۔۱۰۳)
پھر فرماتے ہیں:۔
"اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی
الْقُرْبٰی۔ یعنی خدا تم سے کیا
چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم تمام
بنی نوع انسان سے عدل کے
ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے
بڑھ کر یہ ہے کہ تم ... مخلوق خدا سے
ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ
کہ گویا تم اُن کے حقیقی رشتہ دار
ہو جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے
پیش آتی ہیں۔ کیونکہ احسان میں
ایک خودنمائی کا مادہ بھی مخفی
ہوتا ہے اور احسان کرنے والا
کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا
ہے۔ لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی
جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی
خودنمائی نہیں کر سکتا۔ پس آخری
درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو
ماں کی طرح ہو۔"
(کشتی نوح صفحہ ۶۱)
"مخلوقِ خدا کی بھلائی کیلئے کوشش
کرتے رہو۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۲)
"امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو
نہ خود پسندی سے اُن پر تکبر۔"
(کشتی نوح صفحہ ۲۴)
"اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے
خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک
ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے
دو بھائی۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۶)
"تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ
عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال
میں انتہائی درجے پر ہوں۔"
(کشتی نوح صفحہ ۳۲)

مندرجہ بالا ہدایات پر ہی عمل کر کے ہم
اقتصادی مشکلات کو حل کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ
ہمارے ساتھ ہو +

خدام کو اپنے رسالہ کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور لکھنا
چاہیئے ——— (ادارہ)

تقریر و گفتگو کے آداب ازروئے قرآن کریم

(مکرم عبد العزیز صاحب صادق مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ مشرقی پاکستان)

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

نوٹ:- مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے تحت ہونے والے مقابلہ مضمون نویسی ۴۸-۱۳۴۹ ہش میں یہ مضمون اوّل قرار پایا۔ قارئین خالد کی خدمت میں بالاقساط پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

تمام حمد و ثناء اُس علیم و مبین خدا کے لئے ہے جس نے اپنے بے انتہاء علم کی بناء پر نوع انسان کو قوت بیان عطا کرکے اپنی تمام مخلوق کی جمیع انواع پر عظیم الشان شرف و مقام اور عزت و فضیلت عطا فرمائی۔ صفت بیان انسان کا طرۂ امتیاز ہے جس کی بدولت وہ اشرف المخلوقات کہلایا۔ درحقیقت قوتِ بیان، اللہ تعالیٰ کی عظیم صفتِ رحمانیت کے تحت انسان کو ایک غیر معمولی عطا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمٰن میں انسان پر اپنی بے انتہاء نعماء اور عطایا کا نہایت حسین اور دلکش انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ پہلی نعمت یہ بیان فرمائی۔ "خَلَقَ الْاِنْسَانَ" کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کے بعد فرمایا "عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" کہ اس کو "بیان" سکھایا۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" میں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس "بیان" کے بغیر انسان انسان نہیں کہلا سکتا۔ اور لفظ "انسان" اگر "اُنس" سے تثنیہ کا صیغہ ہو تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ "دو محبتیں"۔ اگر "اِنس" سے ہو تو "دو انسان"۔ مفرد یا جمع کے صیغہ کو ترک کرکے تثنیہ کے صیغہ کو اختیار کرنے میں یہ مقصود تھا کہ "انسان ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔ چونکہ محبت کا ایک اہم ترین ذریعہ "بیان" ہے اسلئے اس "بیان" کی نعمت عطا کرنے کا ذکر فرمایا اور کیونکہ بیان کے ذریعہ سے ہی انسان ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں اور آخر پائیدار محبت کی سلک میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ بغیر بیان اور تکلم کے محبت اور پائیدار محبت قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

گو حسن و احسان سے بھی محبت پیدا ہوتی ہے مگر وہ محبت بیان اور تکلم کے بغیر نتیجہ خیز اور پائیدار نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اکثر لوگ یہ مانتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حسن پتے پتے پر عیاں اور اسکے

بے انتہاء احسانات ذرے ذرے پر ظاہر و باہر ہیں مگر وہ خدا تعالیٰ کی صفتِ تکلّم اور صفتِ بیان کے منکر ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ پہلے بولتا تھا اب نہیں بولتا۔ چنانچہ اس عقیدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے قلوب سے خدا تعالیٰ کی حقیقی محبت مفقود ہو گئی ہے۔ اسی طرح فرض کریں دو میاں بیوی ازدواجی رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں، لطیف جذبات اور دکھ سکھ کی باتیں سمجھانے اور سمجھنے سے عاجز رہیں گے تو زیادہ دن نہیں گزریں گے کہ ان کے درمیان کئی قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے چمنِ محبت میں خزاں آجائے گی اور دیکھتے دیکھتے وہ باغ اُجڑ کر رہ جائے گا۔

پس سچی باہمی محبت و انس کو قائم و دائم کرنے کے لئے تکلّم اور قوتِ بیان انتہائی اہم اور اوّلین ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خَلَقَ الْاِنْسَانَ کے معًا بعد وَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ تخلیق انسان کے بعد سب سے پہلے جس وصف کی ضرورت تھی وہ "وصفِ بیان" تھا۔ نیز حقیقی بیان کہلانے کا مستحق وہی بیان ہو سکتا ہے جس سے انسانوں کے درمیان باہمی انس و محبت پیدا ہو۔ اور وہ بیان بیان کہلانے کا مستحق نہیں جس سے باہمی نفرت و بغض اور کینہ و حسد کی وسیع خلیج پیدا ہو۔ اس لحاظ سے مسئلہ بیان بڑا ہی نازک مسئلہ بن جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نازک مسئلہ میں بھی انسان کی پوری راہنمائی کے لئے زرّیں اصولوں اور آداب کے مجموعہ قرآن کریم کا انتظام فرمایا۔ جس کی طرف مذکورہ بالا دو آیتوں سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یعنی "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" یعنی وہ اللہ رحمٰن ہے جس نے اپنی صفتِ رحمانیت کے تحت قرآن سکھایا ہے (کہ جس کے جلوے جزوی طور پر مختلف شرائع کی صورت میں بھی اور مختلف زبانوں میں ہوتے رہے ہے۔)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تقریر و گفتگو کو مؤثر و مفید بنانے کے لئے قرآن کریم نے ہمیں کیا آداب اور کیا کیا اصول سکھائے ہیں۔ سو یاد رہے کہ تقریر و گفتگو کے بارہ میں قرآن کریم میں جس گہرائی، دور اندیشی اور حکمت کے ساتھ آداب اور زرّیں اصول سکھائے گئے ہیں اس کی نظیر دنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں ملتی۔ قرآن کریم ہی ہے کہ جس کے فرمودہ شاندار آداب اور زرّیں اصولوں کو اگر کوئی انسان مدِّ نظر رکھے تو اس کی تقریر و گفتگو نہ صرف سننے والوں کیلئے حد درجہ مفید و مؤثر اور بے حد شیریں ہوگی بلکہ وہ شخص لوگوں کی نظر میں بھی ایک شائستہ و مہذب اور نافع النّاس انسان شمار ہوگا نیز وہ اپنے خالق و مالک کی نظر میں بھی بڑے ثواب و انعام کا مستحق قرار پائے گا۔

ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر دنیا میں
ہر شخص اپنی تقریر و گفتگو میں ان قرآنی آداب کو
اپنائے تو باہمی نفرت و عداوت، بغض و کینہ اور
آپس کی چپقلش و ناچاقیوں کا غیر متناہی سلسلہ دنیا
سے نیست و نابود ہو کر رہ جائے اور اس کی جگہ باہمی اُنس
و محبت، اخوت و شفقت اور اشتراکِ عمل کے لئے
باہمی تعاون کا نہایت سازگار ماحول پیدا ہو جائے۔
کیونکہ خالق و مالک خدا نے انسان کی زبان میں کچھ
ایسی ہی غیر معمولی قوت و تاثیر ودیعت کی ہے۔
لیکن اگر اس کو غیر مناسب طریق پر استعمال کیا جائے
تو ہر طرف عداوت و نفرت کی ہیبت ناک آگ کے
شعلے بلند ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اِس صورتِ
حال میں بھی اگر زبان کو اعلیٰ اور شیریں آداب سے
مزین کر کے تقریر و گفتگو کی جائے تو وہی آتشزدہ
ماحول فی الفور گلزار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

"تقریر" سے مراد عام طور پر مجلس میں کسی
شخص کا یکطرفہ مسلسل خطاب۔ اور "گفتگو" سے
کسی خاص مجلس میں جانبین کا باہمی خطاب مراد
لیا جاتا ہے۔ دراصل تقریر و گفتگو میں کسی قدر
تفاوت ہے مگر آداب و اصول ہر دو کے
تقریباً یکساں ہیں سوائے چند ایک امور کے
کہ جن میں تقریر اور گفتگو علیحدہ علیحدہ آداب کی
متقاضی ہوتی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ میں آداب تقریر و گفتگو

جب ہم تقریر و گفتگو کے آداب کے جواہر پاروں
کے حصول کی غرض سے قرآن کریم کے عظیم الشان محل
میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے انتہائی حسین، دلکش
اور جاذبِ نظر شاہی گیٹ پر قدم رکھتے ہی ہمیں
اپنی مرادوں، خواہشوں اور پسند کے مطابق
چمکتے ہوئے ہیرے جواہرات نظر آنے لگتے ہیں۔
ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ میں رب العالمین نے
اپنے گناہگار بندوں کو اُن کی مرادوں کے حصول
کے لئے اپنے جاہ و جلال سے پُر شاہی دربار میں
حاضر ہو کر اعلیٰ طریق اور حسنِ ادب کے ساتھ تقریر
و گفتگو کرنے کا ایسا لاثانی گُر سکھایا ہے جس کے
طفیل وہ اپنی اوّل سے آخر تمام مرادوں کو پہنچ
سکتے ہیں اور کبھی نہ ختم ہونے والے انعامات
کے وارث ہو سکتے ہیں۔

سورہ فاتحہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کے دربار
میں حاضر ہو کر اس کے سامنے سب سے پہلے حمد و ثناء
اور تعریفی و توصیفی کلمات سے اپنی تقریر و گفتگو
کا آغاز کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، رحمانیت،
رحیمیت اور مالکیت جیسی عظیم الشان صفات کا ذکر
کر کے اور اس کی قدرتوں اور عظمتوں اور بے انتہاء
رحمتوں کو یاد کر کے اپنے اندر اس کے لئے محبت
کے لطیف جذبات پیدا کرتا ہے پھر عاجزی اور
انکساری ظاہر کر کے اپنے تمام امور میں اس سے مدد
و استعانت طلب کرتا ہے۔ بعد ازاں وہ اپنی
مرادوں اور مقاصد کو بیان کرتا ہے۔ پھر اپنی
تقریر و گفتگو کو اور زور دار کرنے کے لئے نمونہ

کے طور پر انعام یافتہ کاملین کا ذکر کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان کے نقش قدم پر چلانے کی درخواست کرتا ہے۔ اور ہلاک شدہ اقوام سے سبق حاصل کرتے اور عبرت پکڑتے ہوئے ان کی راہ سے بچائے جانے اور انجام بخیر ہونے کی دعا کرتا ہے۔

پس سورہ فاتحہ میں یہ عظیم سبق سکھایا گیا کہ گفتگو اور تقریر کا یہی طریق سب سے اعلیٰ اور یہی ادب سب سے حسین ہے کہ کسی محفل میں تقریر یا گفتگو کرے تو چاہیئے کہ وہ انسان کی عزت و فضیلت اور اعلیٰ شرف و مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے مخاطب کے متعلق تعریفی و توصیفی جذبات و خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تقریر یا گفتگو کا آغاز کرے اور بڑے ہو کر بھی چھوٹوں کی طرح انکساری اور نرمی ظاہر کرے کہ جس سے باہمی استعانت و تعاون کا ماحول پیدا ہو۔ اور اعلیٰ مقاصد اور دائمی انعامات کے حصول کیلئے متحدہ کوششوں کی تلقین کرے۔ پھر اپنی تقریر و گفتگو کو سامعین پر واضح کرنے اور مؤثر بنانے کے لئے مناسب حال تاریخی شواہد بیان کرے اور قابلِ قدر پیشواؤں اور اعلیٰ شخصیتوں اور بزرگانِ سلف کو بطور نمونہ پیش کرے اور ان کے اسوۂ حسنہ اور نقشِ قدم پر چلنے اور اُن کے شمائلِ حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ کو اپنانے ہوئے ہمیشہ ہمیش کے لئے ان وجودوں کو زندہ و تابندہ رکھنے کی ترغیب دلائے۔ اسی طرح ہلاک شدہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے اور ان کے طور و طریق سے بچنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنے کی پُر زور تحریک کرے تا اُن کا انجام بخیر ہو۔

تقریر و گفتگو کے بارہ میں سورۃ فاتحہ جو آسمانی محل کے لئے شاہی دروازہ کی حیثیت رکھتی ہے، میں مذکورہ بالا اعلیٰ اصول اور حسنِ ادب کا ایک اجمالی سبق ہمیں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جیسے جیسے ہم آگے قدم رکھتے ہیں اس عالی شان محل کے اندر اس اجمال کی تفصیلات چمکتے دمکتے موتیوں کی طرح جگہ جگہ نظر آتی ہیں

تفصیلی بحث

اب ہم تقریر و گفتگو کے بارہ میں قرآن کریم میں فرمودہ آداب و اصول کی تفصیلی بحث میں داخل ہوتے ہیں۔ وما توفیقنا اِلّا باللّٰہ۔

اس مضمون میں تقریر و گفتگو کے آداب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ کیونکہ گو اصول و آداب میں شدید علاقہ ہے مگر کسی قدر تفاوت بھی ہے۔ اس لئے ایک حصہ "ابواب الاصول" پر مشتمل اور دوسرا "ابواب الآداب" پر مشتمل ہے۔

اصول "اصل" کی جمع ہے اور اصل کے معنے ہیں جڑھ، منبع، نسل، قاعدہ، حسب و نسب، نچلا حصہ، والد (تسہیل العربیہ) پس تقریر و گفتگو کے لئے اصول سے مراد وہ امور ہیں جو تقریر و گفتگو کیلئے

بطور بوٹھ، منبع اور قاعدہ کے ہیں یعنی جس طرح
درخت کا وجود بغیر جڑھ کے، چشمے کا وجود بغیر
منبع کے اور عمارت کا وجود بغیر بنیاد کے معرض
وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح تقریر و گفتگو
کے لئے بعض امور بطور اصل کے ہیں جن کے بغیر
تقریر و گفتگو کی جا سکتی ہے اور نہ ہی تقریر و
گفتگو کو کوئی بقاء یا تاثیر حاصل ہو سکتی ہے۔

"آداب" ادب کی جمع ہے اور ادب کے
معنے ہیں اچھی روش، خوش اخلاقی، دانش انسان
میں ایسا ملکہ جس سے مہذب رہ سکے (تسہیل العربیہ)
پس تقریر و گفتگو کے آداب سے مراد
ایسی اچھی روش کے ہیں جس کو اپنانے کے نتیجہ
میں انسان کی تقریر و گفتگو سے خوش اخلاقی،
دانشمندی اور تہذیب ظاہر ہوتی ہو۔ اور وہ
اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ انسان مخاطب کے
مرتبہ و مقام کا لحاظ رکھے۔

ابواب الاصول

تقریر اور گفتگو کے اصول

پہلا اصل ـــ "دعا"

تقریر و گفتگو شروع کرنے سے قبل
اللہ تعالیٰ سے جو مسبب الاسباب اور تمام
تاثیرات و برکات کا منبع و مبداء ہے استعانت
و مدد طلب کرنی چاہیے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے فرعون کے دربار میں بغرض اعلائے کلمۃ الحق روانہ
ہونے سے قبل استعانت و مدد طلب فرمائی تھی۔
یعنی رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي
أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي
يَفْقَهُوا قَوْلِي ○ (طٰہٰ) اے میرے رب!
میرا سینہ کھول دے اور جو فرض مجھ پر ڈالا گیا ہے
اس کو پورا کرنا میرے لئے آسان کر دے اور اگر
میری زبان میں گرہ ہو تو اسے بھی کھول دے۔
تاکہ لوگ میری بات آسانی سے سمجھنے لگیں۔

دوسرا اصل ـــ حق و صداقت

جس رحمان و رحیم خدا نے انسان کو تقریر
اور گفتگو کرنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے اسی خدا کا
منشاء یہ ہے کہ انسان کی ہر تقریر و گفتگو حق و صداقت
اور راستی پر مبنی ہو اور ہر قسم کے جھوٹ اور باطل
کی ملونی سے پاک ہو۔ جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ
فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا
اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ○

(سورہ توبہ آیت ۱۱۹)

کہ اے مومنو! تم اللہ کا تقویٰ
اختیار کرو اور صادقوں (کی جماعت)
کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا
کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی تم بھی ان کے
ساتھ مل کر سراپا سچائی ہو جاؤ۔

درحقیقت دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض یہی ہوتی ہے کہ تا ان کے ذریعہ سے حق و صداقت اور سچائی قائم ہو اور باطل اور جھوٹ اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اس کے علاوہ سچائی دراصل ایک نور ہے اور جھوٹ تاریکی۔ سچائی وہ اسم اعظم ہے جس کی برکت سے انسان سخت سے سخت دل کو موم بنا سکتا ہے۔ پس جو تقریر و گفتگو حق و صداقت اور سچائی پر مبنی ہوگی وہ سچائی کی تمام معجزنما برکات و تاثیرات اپنے ساتھ رکھے گی۔

قرآن کریم کی ابتداء میں ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر فرمایا ہے جس میں سے ایک گروہ منافقین کا گروہ ہے جس کے بارہ میں فرمایا:-

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝

(سورۃ بقرہ)

کہ ان کے دلوں میں ایک بیماری تھی پھر اللہ نے اس بیماری کو اور بھی بڑھا دیا اور انہیں ایک دردناک عذاب پہنچ رہا ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

گویا ہمیں بتایا کہ جھوٹ ہی تمام ہلاکتوں اور بربادیوں کے لئے سبب اوّل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار جھوٹ سے اجتناب کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ

(سورہ حج آیت ۳۱)

کہ تم جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو۔

اسی طرح فرمایا:-

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝

(سورۃ فرقان آیت ۷۳)

کہ رحمٰن خدا کے مطیع و فرمانبردار بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو باتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر (بغیر ان میں شامل ہونے کے) گزر جاتے ہیں۔

پس قرآن کریم کی رُو سے مومن بندوں کی تقریر و گفتگو کا ہر قسم کے جھوٹ اور غلط بیانیوں سے پاک و منزہ ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ بے معنی اور فضول باتوں کو پاس بھی بھٹکنے نہیں دینا چاہیئے۔

جس طرح جب درخت کی جڑ نہ رہے تو وہ آناً فاناً گر جاتا ہے اسی طرح جس تقریر و گفتگو کا اصل اور بنیاد سچائی پر قائم نہ رہے تو وہ تقریر و

گفتگو بھی دلوں کی سرزمین سے اُکھڑ جاتی ہے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ

(سورۃ ابراہیم آیت ۲۷، ۲۸)

اور بُری بات کا حال بُرے درخت کی طرح ہے جس کو زمین سے اُکھاڑ (کر پھینک) دیا گیا ہو (اور) جسے (کہیں بھی) قرار (حاصل) نہ ہو۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ اس قائم رہنے والی (اور پاک) بات کے ذریعہ سے (اس) ورلی زندگی میں بھی ثبات بخشتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی بخشے گا۔

پس قرآن کریم کی رُو سے تقریر و گفتگو کے لئے سچی بات کو لازم کرنا اور جھوٹ سے اجتناب بنیادی اصل ہے۔

(باقی)

خدام خدمتِ خلق کیلئے آگے بڑھیں

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا جلسہ سالانہ قریب آ رہا ہے یہ ایام تمام جماعت کے لئے بہت ہی بابرکت ہوتے ہیں۔ مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے سبھی اسمیں شرکت کیلئے دُور و نزدیک سے آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جلسے میں شمولیت اختیار کرنیوالے افراد کیلئے بڑی دعائیں فرمائی ہیں اور یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں کی حیثیت سے اس میں شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ خدام اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جن میں اپنی استعداد اور عمر کے لحاظ سے ان مہمانوں میں سب سے زیادہ چستی اور قوت پائی جاتی ہے اسلئے تمام سفر کرنے والے احباب اور بہنوں کی خدمت کی بڑی ذمہ داری ان پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اس ضمن میں تمام مجالس کی سعی اور تعاون کی ضرورت ہے۔ ہر مجلس سفر کرنے والے احباب کو سفر کے بارہ میں معلومات بہم پہنچائیں۔ نیز انکو سٹیشن یا بس کے اڈہ پر پہنچانے، اسٹیشن پر گاڑیوں میں سوار کرانے یا گاڑیوں سے اُتارنے، مہمانوں کے سامان کی دیکھ بھال کرنے، مہمانوں کو پانی وغیرہ اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرنے کیلئے معاونین کی ڈیوٹی لگائی جائے جلسہ کے ایام میں بھی خدمتِ خلق کیلئے معاونین کی ضرورت ہے۔ وہ خدام جو جلسہ سالانہ میں شمولیت کا ارادہ رکھتے ہوں اور اس کام میں مدد دینے کے خواہشمند ہوں اپنے نام خاکسار کے پاس بھجوا دیں تاکہ منتظم صاحب خدمت خلق جلسہ سالانہ کی خدمت میں پیش کئے جا سکیں۔

(ڈاکٹر لطیف احمد قریشی مہتمم خدمتِ خلق خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

گزشتہ سے پیوستہ

(مکرم خواجہ بشیر احمد صاحب۔ رنگون۔ برما)

برما کے برمی بدھسٹوں کے علاوہ یہاں بہت سی دوسری اقوام بھی آباد ہیں۔ مثلاً لوئر برما میں مولمین اور تاوائی کا علاقہ "مون" قوم سے آباد ہے۔ قریباً آٹھ سو سال قبل مدراس کے علاقے سے "تامل ناڈو" والے یہاں آ بسے۔ ایراودی کے ڈیلٹا سے مولمین تک کے ایک حصہ میں "کرن" قوم آباد ہے جو تھائی اور چائنیز سے مخلوط قوم ہے۔ پھر تھائی اور مون قوم سے مخلوط نسل بھی ہے جس میں عیسائیت کو کچھ فروغ حاصل ہوا ہے۔ اپر برما کے علاقے میں شان ایک مشہور قوم ہے جو دراصل تھائی ہیں۔ تیرھویں صدی میں انہوں نے شمالی برما کا علاقہ آباد کر لیا اور اپنا اثر و نفوذ آسام تک پھیلا لیا۔ آسام میں ان کی قائم کردہ راجدھانی "اہوم" نام سے یاد کی جاتی ہے۔ شان سیام اور آسام سے حقوقی اعتبار سے جیسا کہ ظاہر ہے نہایت قریبی تعلق رکھتے تھے، گو اب آسام سے شانیوں کا کوئی خاص تعلق نہیں رہا۔ تاہم سیام (تھائی لینڈ) سے ان کا رابطہ اب تک قائم ہے۔ مذہبی لحاظ سے یہ قوم بھی بدھسٹ کہلاتی ہے مگر ان میں ارواح پرستی عام ہے۔ اس قوم کا پیشہ بھی کاشتکاری ہے۔ وسطی برما کے عام لباس لنگی کے بالمقابل یہ لوگ ایک ڈھیلا سا پاجامہ استعمال کرتے ہیں اور قمیص کوٹ پہنتے ہیں۔ یہ قوم بہت مہمان نواز ہے مگر شکار اور جوئے کی بہت رسیا ہے۔ اس علاقے میں کچھ دوسری اقلیتی اقوام بھی بستی ہیں جن میں ایک عجیب قوم "پڈاونگ" ہے۔ جن کی مستورات اپنی لڑکیوں کی گردن میں بچپن سے ہی پیتل کے کڑے ڈالتی جاتی ہیں حتیٰ کہ بلوغت تک ان کی گردنیں افریقی جراف (Giraffe) کی طرح لمبی ہو جاتی ہیں۔

تبتی نسل کے لوگ "کچھن" کہلاتے ہیں۔ اس قوم کا دوسرا نام "جنگ پاؤ" بھی ہے جو غالباً تبتی زبان کے الفاظ "رسن پو" سے بنا ہے یعنی مردم خور۔ کچھن کا لفظ بھی چائنیز "یے جین" سے بگڑا ہوا ہے جس کے معنے ہیں وحشی آدمی۔ یہ لوگ بھی ارواح پرست ہیں۔ زمانہ قریب میں ہی یہ قوم تہذیب و تمدن کے اصولوں سے کچھ آشنا ہوئی ہے۔ ان سے ملتی جلتی قوم "ناگا" بھی ہے جو برما کے شمال مغربی علاقے میں آباد ہے۔ یہ چھن اور کچھن نسل سے مخلوط ہے جو ارواح پرست ہیں اور مردم خور بھی۔ ارواح کو خوش کرنے کے لئے جانوروں کے علاوہ انسانوں کو بھی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ فصلیں بونے اور کاٹنے کے وقت قربانی

کی رسوم ادا کرتے ہیں تاکہ فصلیں خراب نہ ہوں اور
بیماریوں سے محفوظ رہیں۔ اِن ایّام میں کسی اجنبی کی
گاؤں میں آمد نہایت ناپسند کی جاتی۔ چنانچہ گاؤں
میں داخلہ کی سڑک پر کسی بڑے درخت کی ایک شاخ
کاٹ کر لٹکا دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے
کہ "خبردار! گاؤں میں اپنی ذمہ داری پر داخل
ہونا!"

چھن قوم کے لوگ ٹہم اور آسام کے علاقے
تک بستے ہیں۔ آسام میں انہیں "گُوکھا" کہا جاتا ہے
اراکان کے سوا اعلیٰ علاقوں میں زیادہ تر چٹاگانگ
کے مسلمانوں سے مخلوط نسلیں آباد ہیں۔ مثلاً کھائیں کلا۔
یہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اسی طرح اراکانی مردوں اور
چٹاگانگ کی غیر مسلم عورتوں سے مخلوط نسل "مگھ"
کہلاتی ہے اور وہ عموماً بدھسٹ ہیں۔ ان کے
علاوہ "کمان" ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ شاہ شجاع
کی تتر بتر شدہ فوج کی نسل سے ہیں (۱۶۶۰ء میں
شاہ شجاع اپنی فوج کے کچھ دستوں کے ساتھ
اراکان کی طرف بھاگ آیا تھا)۔

اسی طرح ایک قوم "میڈو" ہے جو اغلباً
ہندوستانی اور ترکی جنگی قیدیوں کی نسل سے
ہیں جنہیں شوتبو اور میڈو شہر کے نواح میں آباد
کیا گیا تھا۔ یہاں ایک واقعہ کا بیان قارئین
کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ۱۶۶۰ء کے
لگ بھگ جب یہاں آوا نسل کا راجہ سنتے من
حکمران تھا اس نے ان غیر ملکی مسلمانوں سے اچھا
سلوک کیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب راجہ
اُوں منڈایا جی کی حکمرانی ہوئی تو اُسے شوق ہوا
کہ ان مسلمانوں سے واقفیت پیدا کرے کہ یہ
کون لوگ ہیں۔ راجہ کا پنڈت ایک گووندا
نامی برہمن تھا۔ اُس نے اپنی ذہنیت کے
مطابق راجہ کو بتایا کہ یہ لوگ دہلی اور بنارس
کے بھاگے ہوئے وحشی کافر ہیں جو گوتم بدھ کی
پرواہ نہیں کرتے اور ہر قسم کے جانوروں کا گوشت
کھاتے ہیں۔ اس پر راجہ نے اس قوم کے چیدہ
سرکردہ لوگوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم
دیا۔ چنانچہ مولانا محمد روشن، مولانا محب اللہ،
مولانا شمدار اور محمد عثمان دربار میں حاضر ہوئے۔
مختلف سوال و جواب کے بعد راجہ کو معلوم
ہو گیا کہ یہ لوگ واقعی گوتم بدھ دستور کے مطابق
سجدہ نہیں کرتے۔ نیز معلوم ہوا کہ خنزیر سے
پرہیز کرتے ہیں۔ ان بزرگوں نے کافی سمجھایا کہ
گوتم بدھ کی ہم مذہبی رہنما کی حیثیت سے
عزت کرتے ہیں مگر سجدہ صرف وحدہ لاشریک
کے حضور بجا لاتے ہیں۔ لیکن چونکہ گووندا پنڈت
نے کان بھر رکھے تھے اس لئے اس نے حکم دیا کہ
جب تک یہ لوگ گوتم کے بُت کو سجدہ نہ کریں
اور خنزیر نہ کھاویں ان کو جیل میں رکھا جائے۔
چنانچہ جیل میں ان بزرگوں کو بہت سی تکالیف
کا سامنا ہوا مگر انہوں نے سب مصائب برداشت
کیں۔ آخر راجہ نے ان کے ذکر سے تنگ آ کر حکم

دے دیا کہ ان کا خاتمہ ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ چاروں حضرات کو مقتل کی طرف لے جایا گیا۔ وہاں انہوں نے پہلے دو رکعت نماز ادا کی اور پھر چاروں کو شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً اس ظلم کا بدلہ لیا۔ یعنی اسی دن یا اس سے اگلے دن سخت طوفان آیا جس سے راجہ کے محل کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے تین سال تک فصلیں نہایت خراب ہوتی رہیں جس سے سخت قحط پڑ گیا۔ راجہ نے پنڈتوں سے فال پوچھی تو انہوں نے اشارۃً کہہ دیا کہ یہ ان چار مسلمان بزرگوں کے بے گناہ قتل کا خمیازہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر راجہ کی عقل بھی ٹھکانے آگئی۔ چنانچہ اس نے ان شہداء کی قبروں کو ٹھیک کروا کے ان پر سنہری پتھریاں نصب کرائیں۔ نیز ایک مسافر خانہ اور چار مساجد کی تعمیر کے مصارف بھی برداشت کئے۔ اور اس طرح اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا چنانچہ خدا تعالیٰ کا فضل دیکھئے کہ اگلے سال ملک کی فصلیں نہایت اچھی ہوئیں اور ملک کو قحط سے نجات حاصل ہوگئی۔ اس حیرت انگیز تائید خداوندی کے بعد مسلمانوں کو خاص احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ مساجد اور قبریں اب تک موجود ہیں ✦

خالد کی توسیع اشاعت میں حصہ لینا ہر خادم کا فرض ہے

آپ کے سوالات

چوہدری وسیم احمد ۔ کراچی

س:۔ "جنگ مقدس" سے کیا مراد ہے؟

ج:۔ ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور پادری عبداللہ آتھم کے درمیان بمقام امرتسر ایک مباحثہ ہوا تھا جو "جنگِ مقدس" کے نام سے موسوم ہے۔

ناصر احمد ۔ گجرات

س:۔ اشتراکیت کا بانی کون تھا؟

ج:۔ کارل مارکس ۔ جو ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔

محمد رمضان خادم ۔ ربوہ

س:۔ حضرت آدم علیہ السلام کس سن میں پیدا ہوئے؟

ج:۔ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے۔

س:۔ "بہشتی مقبرہ" میں سب سے پہلے کون دفن ہوئے؟

ج:۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی جو ۲۷ دسمبر ۱۹۰۵ء کو سب سے پہلے بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

شمس الدین التمش ۔ کراچی

س:۔ داڑھی کے بارہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

ج:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی

(ترمذی)

"مونچھیں منڈواؤ اور داڑھی بڑھاؤ"

(ملک رفیق احمد سعید)

تاریخ اسلام

حضرت خباب رضی اللہ عنہ

(مکرم عرفان احمد خان صاحب - ربوہ)

آپ کے والد محترم کا نام "ارت" تھا۔ آپ کی کنیت "ابو عبداللہ" تھی۔ آپ عہدِ جہالت میں ام انمار بنت سباع الخزاعیہ کے ہاتھ مکہ میں فروخت ہوئے۔ آپ اُن خوش نصیب صحابہ کرام میں چھٹے نمبر پر ہیں جنہوں نے ابتدا میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اسی لئے آپ کو "سادس الاسلام" بھی کہا جاتا ہے۔

ابتدائے اسلام میں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے آپؓ نے انہیں بخوبی برداشت کیا اور صبر کی ایک عظیم مثال قائم کی۔ آپؓ مکہ میں لوہے کا کام کیا کرتے تھے۔ جب کفار کو موقع ملتا آپؓ کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیتے اور کبھی جسم پر سے قمیص اتار کر دہکتی ہوئی بھٹی پر لٹا دیتے اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر اوپر سے مسلتے۔ یہاں تک کہ چربی پگھل پگھل کر انگاروں کو سرد کر دیتی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؓ سے ان مصائب کی تفصیل دریافت فرمائی جو قیامِ مکہ کے دوران پہنچائی گئیں۔ آپؓ نے جواباً اپنی پیٹھ پر سے کپڑا اٹھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے کسی شخص کی پیٹھ ایسی نہیں دیکھی۔ میں نے اُن سے پوچھا یہ کیا؟ حضرت خبابؓ نے فرمایا امیرالمومنین! آگ جلائی جاتی تھی اور اُس پر مجھے چت لٹا دیا جاتا تھا یہاں تک کہ میری پیٹھ کی چربی اس آگ کو بجھا دیتی تھی۔ (اسد الغابہ جلد ۲)

یہ تمام انسانیت سوز مظالم اپنی پوری ہولناکی کے باوجود حضرت خبابؓ کے پائے استقلال میں خفیف سی بھی جنبش پیدا نہ کر سکے اور ان کی زبان مبارک پھر بھی اپنے ظالم امراء کے سامنے کلمۂ توحید کا ورد کرتی رہی۔

آپؓ کی مالکہ انمار کفارِ مکہ سے بھی بڑھ کر قسی القلب واقع ہوئی۔ وہ کوئلے دہکا کر لوہا تپاتی اور سرخ ہونے پر آپؓ کا سر داغتی۔ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عذاب سے نجات کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ یا اللہ! خباب کی مدد فرما۔
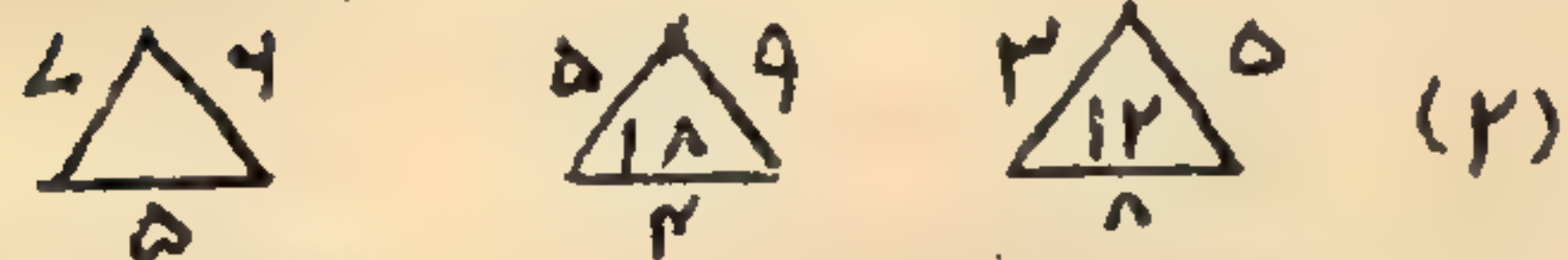
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت خبابؓ کی مالکہ دماغی عارضہ میں مبتلا ہو گئی کہ کتوں کی طرح بھونکنے لگتی۔ لوگوں نے اسے سر پر داغ لگوانے کو کہا۔ چنانچہ یہ کام حضرت خبابؓ کے ہی سپرد کیا گیا۔ آپؓ لوہا تپا کر اس کے سر پر داغ دیا کرتے۔ یہاں تک وہ اسی مرض سے

واصلِ جہنم ہو گئی۔

حضرت خبابؓ کو جنگ بدر، اُحد، خندق اور دیگر غزوات میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن میں آپ نہایت شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے۔

آپ نہایت منکسر المزاج اور ایمان و عمل کے اعتبار سے نہایت پختہ اور اعلیٰ ہونے کی بناء پر صحابہ کرامؓ میں نہایت ہر دلعزیز تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ حضرت عمرؓ سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت عزت و احترام سے اپنے گدّے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خباب کے علاوہ صرف ایک اور شخص اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے اور وہ بلالؓ ہیں۔

کوفہ آباد ہونے پر یہاں سکونت اختیار کر لی اور ۳۷ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایامِ خلافت میں یہیں وفات پائی۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق بیرونِ شہر دفن کیا گیا۔

ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کتنے ذہین ہیں؟

(ممتحن الاذہان۔ مکرم محبوب ادریس صاحب بقاپوری کراچی)

خالی جگہیں پُر کیجئے:۔

(۱) ۴۴۱ ۴۹ ۷

(۲) مثلث: ۳، ۵، ۸ — اندر ۱۲ ｜ ۹، ۵، ۴ — اندر ۱۸ ｜ ۶، ۷، ۵ — اندر ......

(۳)

(۴)	(۳)	(۲)	(۱)
	۲۸	۹	۲
۴	۳	۲	۱

(۴) ۲۱ ۱۳ ۸ ۵ ۳ ۲ ۱ ۱

(۵)
۶ ۷ ۴
۸ ۴ ۸
... ۵ ۶

(۶)
۳
۶
۱۰
۱۸
۳۴

(۷) ۹ ۱۴ ۱۲ ۱۰ ۱۴ ۷

(۸)

(۹) کونسی رقم سب سے بڑی ہے؟

$\frac{1}{2}$ ۔ یا $\frac{1}{3}$ ۔ یا ۱ ۔

(۱۰) اگر چاند پر ایٹم بم کا دھماکہ کیا جائے تو بتائیے کہ کتنے منٹ میں اس کی آواز زمین پر پہنچے گی جبکہ زمین سے چاند تک کا فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے اور آواز کی گیارہ سو فٹ فی سیکنڈ ہے؟ +

ہوائی سفر سے متعلق بعض ضروری معلومات

(مکرم عزیز الرحمٰن صاحب خالد مبلغ سیرالیون)

ہوائی جہاز کا سفر اپنی نوعیت و کیفیت کے لحاظ سے بالکل نرالا سفر ہے جس کا آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اتنا آرام دہ اور وقت کی بچت کے لحاظ سے مفید ثابت ہوگا۔ لیکن سائنسی ترقی اور انسانی کاوشوں سے فضائیں بلند ہو کر پرواز بھی مزید ارتقائی منازل طے کرتی جا رہی ہے۔

ہوائی جہاز سے متعلق بعض ضروری معلومات درج ذیل کی جاتی ہیں:-

راڈار۔ تقریباً ہر جہاز میں ایک آلہ نصب ہوتا ہے جسے راڈار کہتے ہیں۔ اس آلے کا کام یہ ہے کہ وہ کپتان کو پیش آمدہ حالات مثلاً طوفان یا موسم کی خرابی، پہاڑی یا میدانی علاقہ یا بحری علاقہ کی نشاندہی کرتا رہتا ہے تاکہ موسم اور حالات کے مطابق احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکیں۔

ایک اچھی قسم کا جدید طرز کا بوئنگ طیارہ جس میں اندازاً ۱۳۵ مسافر بآسانی سما سکتے ہیں۔ اس کی قیمت کم و بیش چار کروڑ روپے ہے جو ایک اندازے کے مطابق ساڑھے سات لاکھ میل کی پرواز کے بعد کمپنی کو اپنی قیمت ادا کر دیتا ہے۔ اگر اس کی مرمت اور دیکھ بھال کے علاوہ پٹرول کا خرچ بھی شامل کیا جائے تو ایک بوئنگ ۱۰ لاکھ میل کے بعد اپنی قیمت کمپنی کو ادا کر دیتا ہے۔

پہیے۔ عموماً بوئنگ طیارہ کے تین مضبوط پہیے ہوتے ہیں (بعض جہازوں کے ڈبل پہیے بھی دیکھنے میں آئے ہیں) تاکہ پرواز اور اترنے کے وقت رن وے پر جہاز آسانی سے دوڑ سکے۔ یہ پہیے ایک خودکار آلے کے ذریعے الگ الگ دروازے سے نکلتے ہیں یہ آلہ کاک پٹ میں لگے ہوئے ہینڈل سے حرکت میں آتا ہے جو کہ ایک بورڈ کے درمیان نصب ہوتا ہے جس کے گرد سبز اور سرخ روشنیوں کے بلب لگے ہوتے ہیں۔ پہیے باہر نکالنے کے لئے جونہی آلہ حرکت میں آتا ہے سبز اور سرخ روشنیاں نمودار ہو جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہیوں کے لئے دروازے کھل گئے ہیں اور پہیے قفل سے نکل کر باہر آ رہے ہیں۔ جب پہیے باہر نکل کر سیدھے ہو جائیں تو ان میں خودکار قفل لگ جاتے ہیں اور سرخ روشنیاں بجھ جاتی ہیں لیکن سبز جلتی رہتی ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاز میں کوئی نقص نہیں ہے اور حسبِ منشاء عمل ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی دروازہ بند رہے یا کھل جائے لیکن پہیہ باہر نہ آسکے یا اگر باہر آجائے اور اس میں قفل نہ لگے تو ان صورتوں میں سرخ روشنی بدستور جلتی رہتی ہے جو خطرے کی علامت ہے۔

خطرے کی صورت میں احتیاطی تدابیر

جب جہاز کو اس قسم کا خطرہ درپیش ہو تو جہاز کا عملہ اس صورت میں اپنی عقل و سمجھ اور مطالعہ کے علاوہ انسانی زندگی کو بچانے کے لئے حسبِ ضرورت احکام صادر کرتا ہے۔ یہ احکام لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ تمام مسافروں کو دیئے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر مسافر سے اپنی سیٹ (Seat) کے دراز میں رکھے ہوئے ہدایات کے رجسٹر کا مطالعہ کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں ہنگامی صورتوں میں اُترنے والے مسافروں کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایسی صورت میں اپنا جوتا اُتار دیں۔ اگر عینک یا گھڑی، انگوٹھی، ٹائی، ٹائی کلپ، چاقو، چابیاں اور جو کوئی نوکدار چیز ان کے پاس ہو وہ فوراً ایئر ہوسٹس کے پاس جمع کرا دیں۔ اور ہر مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے حالات میں اپنا سر (کمپنی کی طرف سے دیئے ہوئے) تکیے کے اوپر رکھ لے تاکہ زمین پر اُترنے کی وجہ سے جھٹکا وغیرہ سے کسی حد تک محفوظ رہ سکے۔ مستورات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اگر زیور یا سر پر سوئی یا ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے ہوں تو فوراً عملہ کے پاس جمع کروا دیں جو کہ بشرطِ زندگی واپس دی جاتی ہیں۔

جہاز میں محفوظ ترین جگہ

جہاں تک محفوظ ترین یا امن والی جگہ کا تعلق ہے وہ سوائے خدا کی حفظ و امان اور پناہ کے اور کہیں بھی نہیں ہے البتہ جہاز بنانے والوں نے تو ہر لحاظ سے اس کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اگر صورتِ حال بگڑ جائے تو کافی حد تک جہاز کی دُم (Tail) میں بنی ہوئی جگہ مامون متصور کی گئی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب بھی کسی جہاز کو اُترنے میں ایسی دقت کا سامنا کرنا پڑا ہے قیمتی اشیاء، زیورات اور بغرض حفاظت جمع کروائی ہوئی اشیاء اُسی جگہ رکھی جاتی ہیں۔

خطرہ کی صورت میں کپتان اپنی طرف سے پوری طرح احتیاطی تدابیر کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور اس دوران سگنل ٹاور سے رابطہ بھی قائم رکھتا ہے اور ایئر پورٹ پر موجود فائر بریگیڈ کے عملہ کو بھی بروقت اطلاع کر دیتا ہے تاکہ آگ لگنے کی صورت میں زیادہ نقصان نہ ہو۔ اس کے لئے حفاظتی نقطۂ نگاہ سے بعض ہیلی کاپٹر بھی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان احتیاطوں

کے علاوہ مسافروں پر ایک اہم ذمہ داری یہ بھی عاید ہوتی ہے کہ وہ عملہ کی طرف سے دی جانے والی ہر ہدایت پر پوری طرح عمل پیرا ہوں۔ مثلاً ایسی صورت میں اگر جہاز کو آگ لگ جائے تو ایمرجنسی گیٹ کھول دیئے جاتے ہیں اور سیڑھی کا انتظار کئے بغیر ان دروازوں سے اُتر جانا چاہیئے۔ لیکن ضمناً یہ بھی ہدایت ہوتی ہے کہ جس جس دروازہ سے کسی مسافر کو اُترنے کا حکم ہو اُسی دروازہ سے اُترنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمام مسافر ایک ہی دروازہ سے گزرنے کی کوشش کریں۔

اس ضمن میں یہ امر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ اگر ایک وقت میں کسی جہاز کو آگ لگ جائے تو اس دی ہوئی ہدایات کے مطابق ۱۲۵ مسافروں کو بتلائے ہوئے راستوں کے مطابق یک دم زیادہ سے زیادہ وقت ایک منٹ (۶۰ سیکنڈ) یا ۱¼ منٹ (سوا منٹ) درکار ہے۔ تاکہ آگ کی لپیٹ سے جلد نکلا جاسکے یہ دروازے جو ایمرجنسی گیٹس کہلاتے ہیں ان کے پٹوں پر سے پھسل کر نیچے فرش تک اُترنا پڑتا ہے۔

جہاز میں لگے ہوئے بازو

عام طور پر ہر جہاز کے ساتھ دونوں طرف ڈو پَر لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ہر جہاز کے بدن کی لمبائی یا چھوٹائی کے مطابق لچک بھی مختلف ہوتی ہے۔ لیکن جس بوئنگ کا یہاں ذکر کر رہا ہوں اس کی لچک دونوں بازوؤں میں جن میں انجن لگے ہوئے ہوتے ہیں ۲۱ فٹ ہے یعنی اگر جہاز کو نیچے کی طرف شدید جھٹکا دیا جائے تو یہ پَر (Wing) یا بازو اُوپر کی طرف (مخالف سمت میں) ۱۱ فٹ بلندی تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور اگر جہاز کو اُوپر اچانک شدید جھٹکا سے کھینچا جائے تو اس شدید جھٹکے کی صورت میں یہ بازو ۱۰ فٹ نیچے کی طرف لچک کھاتے ہیں۔

رفتار

ایک بوئنگ طیارہ کی اوسط رفتار جبکہ فضا میں بغیر کسی رُکاوٹ اور موسم کی خرابی کے پرواز کر رہا ہو ۶۰۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے لیکن جب جہاز رَن وے پر دَوڑ رہا ہوتا ہے ۱۰۰ میل سے پچاس میل اور پھر بتدریج کم رفتار پر دَوڑتا ہے۔

بقایا داران

خالد کا اپنے ذمہ کا بقایا چندہ جلسہ سالانہ پر دفتر ماہنامہ خالد میں تشریف لا کر ادا فرمائیں

(مینیجر)

مَیں نے سالانہ اجتماع سے کیا پایا؟

(مکرم شیخ حمید احمد صاحب سبّی۔ بلوچستان)

زندگی میں کئی اجتماعات نظر سے گزر چکے ہیں لیکن مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع میں شامل ہونے کا خاکسار کو پہلی مرتبہ موقع ملا۔ اس اجتماع کی اطلاع اور ضروری ہدایات کئی روز قبل ہمیں مل چکی تھیں، اس لئے تیاری کے لئے کافی وقت میسّر آگیا۔ اور ہم احباب کو خاکسار کوئٹہ کے دیگر خدام کے ہمراہ روانہ ہوا اور اگلے روز دن ڈھلنے سے قبل ربوہ کے رُوح پرور مناظر ہمارے سامنے تھے۔ گاڑی جونہی سٹیشن پر رُکی مقامی خدام ہمیں خوش آمدید کہنے کے لئے موجود تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کئی سالوں سے بچھڑے عزیز و اقارب آپس میں مل رہے ہیں۔ ہر چہرہ سے مسکراہٹ کے سوتے پھُوٹ رہے تھے۔ ربوہ کے مقامی خدّام نے ہم کو قیامگاہ تک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی سہولت مہیا کی۔ اور خدا کے مامور کی پیدا کی ہوئی بے لاگ محبت کو ہم نے وہیں محسوس کر لیا۔

بڑے بڑے خوبصورت اور عالیشان شہروں میں جانے کا اتفاق ہو چکا ہے لیکن جو سکون اور تازگی قلب و رُوح کو ربوہ کے چھوٹے سے شہر نے بخشی اس کی ٹھنڈک کو آج پھر یہ حقیر آنکھیں ترس رہی ہیں۔

اگلے روز خاکسار مقام اجتماع جانے کیلئے تیاری کر رہا تھا کہ سڑک سے اطفال کا ایک چھوٹا سا جلوس "اسلام زندہ باد" کے نعرے لگاتا ہوا گزرا۔ میرا تقریباً تین سالہ بھانجا دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی بھولی بھالی گفتگو اور جلوس میں شامل ہونے کے لئے اصرار اور پھر کوشش کے باوجود شمولیت میں ناکامی پر مایوس سے چہرہ کے ساتھ واپس آنے اور اظہارِ بے چارگی سے مجھے اس بات کی حقیقت کا علم ہو گیا کہ انسان کو کسی بھی اچھے یا بُرے کام کی طرف مائل کرنے کے لئے کونسی روح کام کرتی ہے۔ پھر مجھے اس بات کے اندازہ لگانے میں بھی کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ اس اجتماع کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ اگرچہ یہ ایک معمولی واقعہ تھا مگر اس نے مجھے گہری سوچ میں ڈال دیا۔ نفسانی کمزوریوں اور جذبۂ قربانی کے مابین ہونے والی ایک زبردست جنگ کو مَیں دل و دماغ کی آنکھوں سے بخوبی دیکھ رہا تھا۔ پہلے روز ہی مَیں نے اپنے آپ میں اتنی تبدیلی

محسوس کی کہ خود کو ایک حقیر ترین چیز محسوس کرنے لگا اور غرور و تکبر کا مادہ شرما کر رہ گیا۔ آہ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے قلب و دماغ اور جسم و روح اس روحانی پانی سے ہر وقت سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

ایک نئے جذبہ اور نئے ولولہ کے ساتھ میں مقامِ اجتماع کی طرف روانہ ہوا۔ ہر طرف محبت و شفقت اور اخلاص و ایثار کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے میرا استقبال کیا کہ مجھے فردوس کی اصل حقیقتوں کا احساس ہونے لگا۔ اپنے خیمہ میں داخل ہونے سے قبل ایک اچٹتی ہوئی نگاہ میں نے گرد و پیش میں ڈالی ۔ سامنے ایک خوبصورت اور وسیع پنڈال پر لگے ہوئے لاؤڈ سپیکر سے کچھ ضروری ہدایات نشر ہو رہی تھیں - میرے بائیں جانب سامنے تین سٹال تھے جن میں سے ایک میں سجی ہوئی کتابیں صاف نظر آ رہی تھیں - دائیں جانب محترم صدر صاحب خدام الاحمدیہ اور دیگر منتظمین کے دفاتر بھی اس رونق میں گوناگوں اضافہ کر رہے تھے - پانی ، طعام اور دیگر اہم انتظامات جس خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے نبھائے گئے تھے انہیں دیکھ کر ذہن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ضمیر بار بار میری کمزوریوں کو سامنے لاتا رہا۔ گویا یہ وہ مقام ہے جہاں ہر شخص کو اس کے اصل وزن سے آگاہ کر دیا جاتا ہے جن پر چل کر وہ اپنی کمی کو پورا کر سکے۔

پہلے دن کے پروگرام میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا افتتاحی خطاب خدام کیلئے جاں افزا روحانی غذا کا حامل تھا۔ حضور ایدہ اللہ نے انسانی حقوق کی ادائیگی کے لئے جن بارہ اہم چیزوں کا نہایت ہی عام فہم ، سلیس اور احسن انداز سے ذکر فرمایا اس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ معمولی سی توجہ سے ہی انسان ان راہوں پر گامزن ہو سکتا ہے جو انسان کو خدا کا مقرب بنانے والی ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہر بات کو بڑے ہی پُر سکون لہجہ ، موتیوں کی لڑی کی طرح بالترتیب اور محبت و شفقت کی چاشنی کے ساتھ بیان فرمایا اور وقت کی کمی کے باعث اپنے عاشقوں کو تشنہ لب چھوڑ کر دعا کے بعد رخصت ہو گئے۔

اگلے روز علی الصبح خدام نماز تہجد کے لئے بیدار ہوئے - نماز تہجد کے بعد نماز فجر اور پھر درسِ قرآن نے دل میں تسکین اور اطمینان کی ایک کیفیت پیدا کر دی ——— بات کو مختصر کرتے ہوئے آخری دن کے پروگرام تک پہنچتا ہوں - تقریباً گیارہ بجے صدر محترم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے خدام سے خطاب فرمایا۔ خاکسار کو اسی سال پہلی مرتبہ صدر محترم کو دیکھنے اور ان کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا۔ ان کا اندازِ بیان بالکل ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے - ان کی زبان میں ٹھہراؤ ، مناسب تسلسل ، اختصار اور ہر بات جچی تُلی ایک عظیم شخصیت ہونے

کی غمازی کرتی ہے۔ ان کی معمولی سی گفتگو سے ہی جماعت کے نوجوانوں کے لئے ان کے دل کا درد و سوز محسوس کیا جا سکتا ہے۔

جناب معتمد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو بھی پہلی مرتبہ دیکھنے اور ان کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا۔ ان جیسے خدامِ احمدیت کو دیکھنے اور پرکھنے سے دل خود بخود پکار اُٹھتا ہے کہ واقعی یہ خدائی جماعت ہے۔ کیونکہ انسانی دسترس سے باہر ہے کہ وہ ایسے انسانوں کو اکٹھا کر سکے جو خدا اور اس کے نبی کے لئے اپنی ہر چیز قربان کر دینے کا تہیّہ کر چکے ہوں۔

تقریباً ساڑھے تین بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز الوداعی خطاب کے لئے تشریف لائے۔ حضور ایدہ اللہ نے زندگی کو دینی امور کے لئے عملی سانچے میں ڈھالنے اور اس سلسلہ میں قربانیاں پیش کرنے کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس بات کو بھی واضح فرمایا کہ افریقی اقوام کس طرح اس وقت حقیقت کی متلاشی ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی قوتِ عمل کس قدر بیدار ہو رہی ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطاب کے بعد ایک پُرسوز دعا فرمائی۔ دعا میں جس طرح ہر شخص سوز و گداز سے گڑگڑا رہا تھا اس سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا کہ ہر احمدی کے دل میں خدا اور اس کے رسول کے لئے کس قدر محبت اور مذہبِ اسلام کے لئے کتنا درد و خلوص موجزن ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ دعا کے بعد خدام کو السّلام علیکم ورحمة الله وبركاتهٗ کا تحفہ دیتے ہوئے واپس تشریف لے گئے اور خدام اشکبار آنکھوں کے ساتھ اپنے خیموں کی طرف روانہ ہوئے۔

خدام واپسی کے لئے تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ سے اُڑنے والی گرد کو تو ہر شخص محسوس کر رہا تھا لیکن میرے ذہن اور دل میں اُٹھنے والے طوفانوں کو کسی نے نہیں دیکھا ــــــ کل کی حسین و جمیل اور پُر رونق فضا آج نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی ‡

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اس جلسہ کو معمولی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

ا۔ح۔ک۔ربوہ

۱۷۰ میل سائیکل سفر!

خاکسار اور میرے دو عزیز دوستوں نے موسم گرما کی تعطیلات میں منگلا ڈیم دیکھنے کا پروگرام بنایا اور طے یہ پایا کہ یہ تمام سفر سائیکلوں پر کیا جائے۔

چنانچہ پروگرام کے مطابق ۲۳ر وفا (جولائی) شام پانچ بجے ہمارے ایک شفیق استاد نے ہمیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ رات آٹھ بجے ہم لائلپور پہنچے۔ اگلے دن شدید تکان کی وجہ سے علی الصبح سفر شروع نہ کر سکے۔ بلکہ گیارہ بجے دوپہر روانہ ہوئے۔ راستہ میں شدید گرمی کی وجہ سے ہم پسینہ میں شرابور تھے اس لئے ایک گھنٹہ میں صرف تیرہ میل ہی سفر کر سکے پھر سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ لیکن اس وقت سخت بھوک لگ رہی تھی۔ نزدیک کوئی شہر نہ تھا۔ اس لئے مجبوراً پھر سفر کرنا شروع کیا۔ لیکن اس مرتبہ یہ تہیّہ کیا کہ جتنی جلدی ہو سکے شاہ کوٹ پہنچا جائے۔ چنانچہ تقریباً تین منٹ فی میل سفر کرتے ہوئے تقریباً دو بجے شاہ کوٹ پہنچ گئے۔ گویا اس دوڑ میں ہماری اوسط رفتار اٹھارہ میل فی گھنٹہ تھی۔

کھانا کھانے اور سستانے کے بعد شیخوپورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اچھی سڑک اور ہوا کے موافق ہونے کی وجہ سے سائیکل بڑی تیزی سے منزل کی طرف رواں دواں تھے لیکن اچانک راستہ میں سائیکل پنکچر ہو گیا۔ چونکہ ہم نے بندوبست کیا ہوا تھا اسلئے کوئی خاص دقّت پیش نہ آئی اور پنکچر لگا لیا اور پھر سفر شروع کر دیا۔ کڑکتی دھوپ میں سفر کے دوران ہمّت افزائی کرنیوالے احباب کے ساتھ ساتھ مذاق اڑانے والوں کا بھی شکریہ ادا کرتے رہے۔ کچھ ناصحانہ انداز میں اس سفر سے منع بھی کرتے رہے لیکن ہمارا عزم برقرار رہا۔ راستہ میں ایک غیر ملکی شخص کو تمام سامان اٹھائے ہوئے ننگے پاؤں شاہ کوٹ کی طرف خوش خوش رواں دیکھ کر انتہائی حیرانگی ہوئی۔ شام چھ بجے ہم شیخوپورہ پہنچ گئے۔

دوسرے دن صبح سویرے گوجرانوالہ کیلئے روانہ ہوئے اور تقریباً آٹھ بجے گوجرانوالہ پہنچ گئے۔ سارا دن آرام کیا لیکن تکان تھی کہ دور ہونے کا نام نہ لیتی تھی مجبوراً بقیہ سفر بس پر کرنیکا فیصلہ کیا اور دینا پہنچ گئے۔ دینا سے منگلا کیلئے بس والوں نے بٹھانے سے انکار کر دیا تو مجبوراً سائیکلوں پر منگلا کے لئے روانہ ہوئے اور منگلا کی خوب سیر کی ــ مجموعی طور پر ہم نے تقریباً تیرہ گھنٹوں میں ۱۷۰ میل سفر کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک؛

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

(۸ اراحسان کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورہ مغربی افریقہ سے کامیاب مراجعت پر پڑھی گئی)

(نتیجہ فکر محترم چوہدری شبیر احمد صاحب)

(۱)

تیرے در پہ اے ذاتِ جاودانی
بہا جاتا ہے دل جیسے ہو پانی
ہوئی ہے آج وجہ شادمانی
حبیبِ جان و دل کی ضو فشانی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

(۲)

گیا تھا قافلہ جو قدسیوں کا
بصد فتح و ظفر واپس ہے آیا
جہاں پہنچا وہاں دنیا نے دیکھا
ہوا ظاہر نشانِ آسمانی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

(۳)

مبارک ہو تجھے ارضِ بلالی
تجلی تو نے اک دیکھی جمالی
ملا پھر سے تجھے پرچم ہلالی
خدا کی رحمتوں کی اک نشانی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

(۴)

مبارک ہو امیرِ کارواں کو
محبت سے کیا گھائل جہاں کو
رُخِ انور دکھایا عاشقاں کو
عیاں جس سے ہے نورِ آسمانی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

(۵)

جگایا غرب کے دانشوروں کو
باندازِ کلیمی ساحروں کو
بتوں کو اور ان کے بتگروں کو
دکھایا دستِ یارِ لامکانی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

(۶)

مبارک صد مبارک مخلصیں کو
خدا لایا ہمارے مہ جبیں کو
عطا کیں رفعتیں دینِ متیں کو
دکھایا یومِ فتح و کامرانی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَوْفَی الْاَمَانِیْ

حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ

(مکرم منور احمد صاحب عارف۔ ربوہ)

تاریخ احمدیت میں ۱۴ وفا (جولائی) وہ دن ہے کہ جس دن سرزمین کابل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک نہایت ہی مخلص صحابی حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب کو بڑی بے دردی و بے رحمی کے ساتھ سنگسار کر کے شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف رضی اللہ عنہ علاقہ خوست ملک افغانستان کے باشندے تھے۔ آپ بڑے پارسا اور صاحب الہام و کشوف بزرگ تھے اور اپنے علاقہ کے بہت بڑے رئیس اور اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ کابل کا حکمران امیر حبیب اللہ خان بھی آپ کو بہت عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ کی پارسائی و بزرگی کا اندازہ حضرت سید احمد نور صاحب کابلی رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "چشم دید واقعات" میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ:۔

"میں نے ہر طرف دیکھا کہ زمانہ کو مصلح کا ہے لیکن مجھے کوئی مصلح نظر نہ آیا تو میں نے اپنی حالت کو تمام قرآن شریف اپنے حقائق و معارف مجھ پر ظاہر کرتا ہے اور کبھی کبھی مجسم بن کر مجھے اپنے معانی بتاتا ہے۔ تب میرے دل میں خیال آیا کہ شاید خدا تعالیٰ مجھے ہی مصلح کر کے کھڑا کر دے گا۔ لیکن اس کتاب[1] کے دیکھنے سے میں نے معلوم کیا کہ خدا نے مصلح بھیج دیا ہے جس کی تقدیر میں تھا وہ ہو چکا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ جہاں بھی نازل ہو اُس کی طرف دوڑو اور سلام بھی بھیجا تھا۔"

حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا علم ہوا تو آپ نے اپنے

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک کتاب آپ کی نظر سے گزری۔

ایک شاگرد خاص حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحبؓ کو تحقیق حق کے لئے قادیان بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر بتایا کہ میں پوری چھان بین کر آیا ہوں حضرت مرزا صاحب واقعی مسیح موعود ہیں اور آپ کی شبیہ مبارک ہی بتلا رہی ہے کہ آپ اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں۔ امیر کابل نے درباری مولویوں کے فتووں سے متاثر ہو کر حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحبؓ کو مرتد اور واجب القتل قرار دے کر شہید کروا دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحبؓ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ پھر آپ حج سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی غرض سے ۱۹۰۲ء میں سیدھے قادیان پہنچے۔ آپ نے حضرت اقدسؑ کو دیکھتے ہی اپنی خداداد فراست سے آپ کو سچا اور راستباز تسلیم کرتے ہوئے دستی بیعت کا شرف حاصل کر لیا اور حضورؑ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی غرض سے حج کو اگلے سال پر ملتوی کر دیا۔

قادیان میں معجزات اور تائید ربانی کے متعدد نظارے دیکھنے سے آپ کا دل نورِ ایمان سے بھر گیا۔ آپ نے اس خیال سے کہ اس نعمت خداوندی کو دوسروں تک پہنچایا جائے وطن واپس آنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ آپ نے حضرت مسیح پاک علیہ السلام سے اجازت حاصل کی حضورؑ صاحبزادہ صاحبؓ کو الوداع کرنے کے لئے قادیان سے تقریباً ۲ میل باہر تک تشریف لائے۔ جدا ہونے سے قبل حضرت صاحبزادہ صاحبؓ حضورؑ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں حضورؑ نے فرمایا میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں آپ پاؤں کو چھوڑ دیں یہ ناپسندیدہ امر ہے۔ لیکن صاحبزادہ صاحبؓ نے وفورِ محبت و عقیدت سے پاؤں پکڑے رکھے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ (کہ حکم کا ماننا ادب سے بڑھ کر ہوتا ہے)۔ تب آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور عرض کیا کہ حضور معلوم ہوتا ہے دوبارہ آپ کی زیارت نصیب نہ ہو گی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے پُرسوز دعاؤں کے ساتھ آپ کو رخصت فرمایا۔

جب آپ وطن پہنچے تو علماء نے امیر کابل کو خوب اشتعال دلایا اور کہا کہ چونکہ شاہ صاحب مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کر آئے ہیں اس لئے مرتد اور واجب القتل ہیں لہذا انہیں سنگسار کر دیا جائے۔ امیر کابل حبیب اللہ خان نے نرمی وسختی اور لالچ وغیرہ ہر طرح کا حربہ استعمال کیا کہ کسی طرح صاحبزادہ صاحبؓ حضرت اقدسؑ کی بیعت سے منحرف ہو جائیں مگر آپ اپنے ایمان پر قائم رہے۔ اس پر امیر حبیب اللہ خان نے آپ کو شاہی قید خانہ میں پابند سلاسل کر دیا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں مگر آپ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ بالآخر ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء

کو آپ کی ناک چھید کر اور اس میں رسی ڈالکر لوگوں
کے بے پناہ ہجوم میں آپؓ کو مقتل لیجا کر کمر تک
زمین میں گاڑا گیا۔ پھر بادشاہ نے قاضی سے کہا کہ
وہ پہلے پتھر چلائے کیونکہ اُس نے ہی کفر کا فتویٰ
لگایا ہے۔ چنانچہ اُس نے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ
پر پتھر پھینکا جس سے آپ کو کاری ضرب لگی اور
گردن جھک گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ پر
پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس
مقدس وفدائی انسان کا سارا جسم پتھروں میں
چھپ گیا اور آپؓ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کو اللہ تعالےٰ
نے اس واقعہ کی پہلے سے خبر دیدی تھی۔ جیسا کہ
حضرت سید احمد نور صاحبؓ "چشم دید واقعات"
میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک روز میں اور صاحبزادہ
صاحبؓ اور ان کے خادم عبدالجلیل
سیر کو جا رہے تھے کہ صاحبزادہ
صاحب اپنے ہاتھوں کو دیکھ کر
کہنے لگے کہ "کیا تم ہتھکڑیوں کی
طاقت رکھتے ہو؟" اور مجھے
مخاطب کر کے فرمایا کہ "جب میں
مارا جاؤں تو میرے مرنے کی
اطلاع حضرت مسیح موعودؑ کی
خدمت میں کر دینا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس
سانحہ عظیم کی خبر پہنچی تو آپؑ نے کتاب "تذکرۃ الشہادتین"
میں تحریر فرمایا کہ:۔

"اے عبداللطیف! تیرے پر ہزاروں
رحمتیں کہ تُو نے میری زندگی میں ہی اپنے
صدق کا نمونہ دکھایا اور جو لوگ میری
جماعت میں سے میری موت کے بعد
رہیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام
کریں گے۔" (ص۵۹)

پھر حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ
ایسے معصوم شخص کو کمال بے دردی
سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔
اے کابل کی زمین تُو گواہ رہ کہ تیرے
پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے
بدقسمت زمین تُو خدا کی نظر سے گر گئی
کہ تُو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔" (ص۷۴)

۱۴؍جولائی (جس روز حضرت صاحبزادہ صاحبؓ
کو شہید کیا گیا) کی شام کو سُرخ آندھی چلی کہ ہر طرف
اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ پھر ۱۵؍جولائی کو قہر خداوندی
ایک بار پھر جوش میں آیا اور شہر کابل اور اس کے
گردو نواح کے علاقوں میں خطرناک ہیضہ کی وبا پھیل
گئی جس سے روزانہ سینکڑوں لوگ لقمۂ اجل بننے
لگے۔ امیر حبیب اللہ کے بھائی سردار نصر اللہ خان
کی بیوی اور نوجوان لڑکا بھی اس وبا کا شکار ہو گئے۔

رپورٹ کارگزاری مجلس خدام الاحمدیہ کوپن ہیگن (ڈنمارک)

عرصہ زیر رپورٹ میں مرکز کو رپورٹ بھجوائی گئی۔ دورانِ ماہ (اخاء/اکتوبر) میں ایک اجلاس عام اور ایک اجلاسِ مجلس عاملہ منعقد ہوا۔ اجلاس عام میں ۲۰ خدام نے شرکت کی۔ تلاوت اور نظم کے بعد مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی "سابق مبلغ لائبیریا" اور مکرم قائد صاحب مجلس نے تقاریر کیں۔ اجلاس ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے خدام کی تعداد ۲۶ سے ۲۹ تک پہنچ گئی ہے۔

دورانِ ماہ چار تربیتی اجلاس منعقد ہوئے۔ چار خدام نے یکے بعد دیگرے تقاریر کیں اور ہر اجلاس کے آخر میں محترم سید مسعود احمد صاحب مبلغ ڈنمارک نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات میں سے حسب موقع درس دیا۔ صبح کی نماز سے پہلے نوافل ادا کرتے ہیں۔ تین خدام ہر جمعہ کے دن نماز کے لئے فیکٹریوں سے رخصت لے کر وقت پر مسجد آتے رہے اور ۲۰ خدام نماز عصر کے بعد مسجد میں آتے رہے۔ ہر اتوار کو جو اجلاس منعقد ہوتا رہا اس میں حاضری ۸ تا ۲۰ رہی۔ ۱۵ کے قریب خدام ہر جمعہ کی شام ۷½ بجے ڈینش لوگوں کی میٹنگ میں شمولیت اختیار کرتے رہے۔

لائبریری سے خدام کتب وغیرہ پڑھنے کے لئے لے جاتے رہے۔ مشن ہاؤس میں اخبار الفضل آتا ہے جس سے خدام استفادہ کرتے ہیں۔ ایک خادم نے الفضل لگوایا بھی ہوا ہے۔

دورانِ ماہ تقریباً یکصد کراؤن چندہ اکٹھا ہوا۔ ایوانِ محمود کے لئے ایک خادم مکرم عبد القادر صاحب نے ۲۱۲/- روپے کا وعدہ کیا۔ تین خدام سے تقریباً ۵۰۰/- کراؤن وعدہ نصرت جہاں ریزرو فنڈ لیا گیا۔ خدام کا کل وعدہ ۲۰،۰۰۰/- کراؤن ہے۔

دورانِ ماہ تقریباً دو ہزار روپے کی رقم قرضِ حسنہ کے طور پر دی گئی۔

پروگرام کے مطابق ہر جمعہ اور اتوار کو مشن ہاؤس کی صفائی کی جاتی رہی۔ اس کے علاوہ ہفتہ میں دو ایک بار صفائی کی جاتی رہی۔ مجموعی طور پر پندرہ مرتبہ وقارِ عمل منایا گیا۔ جمعہ کے روز جب ڈینش لوگوں کی میٹنگ ہوتی رہی اس میں چائے پلانے اور برتن صاف کرنے میں خدام حصہ لیتے رہے۔

وقار عمل میں دس خدام حصہ لیتے رہے۔

رسالہ خالد اور الفضل باقاعدگی سے آتا ہے۔ روزنامہ امروز کو تین ماہ کا چندہ ۱۲۵/- روپے لاہور ارسال کیا گیا۔ اخبار وطن (لندن)

مشرق (لنڈن) ہر ہفتہ مشن ہاؤس آتے ہیں۔
احباب مجلس کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔
(عبدالباری احمدی ناظم اصلاح و ارشاد
مجلس خدام الاحمدیہ کوپن ہیگن (ڈنمارک)

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رض

(بقیہ از صفحہ ۴۳)

خود امیر حبیب اللہ خان کو کسی شخص نے سوتے میں گولی مار کر ہلاک کر دیا مگر قاتل نہ مل سکا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ٹھیک ہی فرمایا تھا کہ:۔

"اور کابل کی سرزمین دیکھ لے گی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا۔ یہ خون کبھی ضائع نہیں جائے گا۔ پہلے اس سے غریب عبدالرحمان میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہے گا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے۔" (صفحہ ۷۲)

(محمد شفیق قیصر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر ربوہ سے شائع کیا)